ستمبر ۱۹۹۹ء

اہنامہ

یثاق

لاہور

مسئول

راسرار احمد

عظمتِ مُصطفٰی ﷺ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطا

احباب نوٹ فرمالیں!

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں کلاسز کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہو جائے گا۔

- ابتدائی تین دن تعارفی نوعیت کے لیکچر ہوں گے۔ باضابطہ تدریس کا آغاز چھ ستمبر سے ہو گا۔
- 4 ستمبر تک کورس میں داخلہ کے لئے رابطہ کرنے والے حضرات کو شامل کورس کیا جاسکے گا۔

طالبانِ علم قرآن کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اس کورس میں شریک ہو کر فہم قرآن کی جانب ٹھوس پیش رفت کر سکتے ہیں!

المعلن : **ناظم قرآن کالج**' رابطہ : : 03-5869501

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

191۔اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں

I.Com., ICS., F.A میں لیٹ فیس کے ساتھ

20 ستمبر تک داخلے جاری ہیں

☆ **قرآن کالج فار گرلز** میں بھی داخلے ابھی جاری ہیں۔

☆ دونوں درس گاہوں میں تدریس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہو جائے گا۔

☆ داخلہ کے خواہش مند طلبہ اور طالبات فوراً رجوع کریں۔

المعلن : ناظم قرآن کالج فون : 03-5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

11/16/36

لائبریری قرآن اکیڈمی کراچی ★

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : ۴۸
شمارہ : ۹
جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
ستمبر ۱۹۹۹ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لائبریری
قرآن اکیڈمی کراچی

مشمولات

☆ عرضِ احوال ____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ اسوہ و سیرت ____ ۵
عظمتِ مصطفیٰ ﷺ
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ ہماری دعوت ____ ۳۳
شہادتِ حق کے عملی تقاضے
محمد رشید عمر

☆ نماز میں خشوع [۴] ____ ۴۳
حقیقت و اہمیت اور اسباب
ترجمہ : ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

☆ فکرِ عجم [۲۰] ____ ۵۱
ایران میں افکارِ اقبال کا اثر
ڈاکٹر ابو معاذ

☆ مشاہیرِ عالم ____ ۶۷
الشیخ علی طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ
ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

☆ افکار و آراء ____ ۷۲

☆ خطوط و نکات ____ ۷۶

☆ گوشہ خواتین ____ ۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

سانحہ کارگل کے حوالے سے نواز شریف حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کا انعقاد مسلسل جاری ہے۔ مختلف سیاسی جماعتیں اور اتحاد اس حوالے سے اپنی اپنی سیاسی قوت اور عوامی حمایت کا مظاہرہ بھرپور طور پر کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کر رہے ہیں اور ان ریلیوں کے باعث ملکی سیاسی فضا میں اچھی خاصی گرما گرمی پیدا ہو چکی ہے۔ حال ہی میں اسامہ بن لادن اور افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ کے دھمکی آمیز رویئے کے جواب میں امریکہ کے خلاف جے یو آئی کے مولانا فضل الرحمٰن کے جرأت مندانہ بیان نے فضا میں مزید ہلچل پیدا کر دی ہے اور ملک کے اکثر مذہبی طبقات نے ان کے بیان کو اپنے جذبات کی ترجمانی قرار دیتے ہوئے ان کی بھرپور تائید کی ہے۔ اس بیان کے نتیجے میں مولانا کا سیاسی گراف جو اس سے قبل تشویشناک حد تک نیچے گر چکا تھا اچانک بلندیوں کو چھونے لگا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی امریکہ کے خلاف احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کے بھرپور اور کامیاب انعقاد کا آغاز کر دیا ہے۔ جن میں مولانا اور دیگر مقررین کے تیز و تند خطابات کا اصل ہدف اگرچہ امریکہ ہی ہوتا ہے تاہم بالواسطہ طور پر نواز شریف حکومت کی مخالف بھی بجا طور پر ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ جے یو آئی کے تحت ہونے والے مظاہروں اور ریلیوں میں شرکاء کی بڑی تعداد علماء کرام اور دینی مدارس کے طلبہ پر مشتمل ہوتی ہے ـــــ گویا اگر یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ کی حکومتی پارٹی کو چھوڑ کر ملک کی دیگر تمام سیاسی جماعتیں اور پاکستان کے مذہبی طبقے کی ایک بڑی اکثریت اپنے اپنے رنگ میں "گو نواز گو" کا راگ الاپ رہی ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔

اس تمام سیاسی گرما گرمی کے باوجود حکومت مخالف احتجاجی ریلیاں تاحال ایک بڑے "ریلے" کی صورت اختیار نہیں کر سکیں اور بادی النظر میں نواز حکومت بدستور مضبوط اور مستحکم نظر آتی ہے۔ بعض سیاسی رہنماؤں کے بیانات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ابھی تک اس ضمن میں ان "نادیدہ قوتوں" کی طرف سے "گرین سگنل" نہیں مل سکا جو پاکستان میں بچھی ہوئی اقتدار کی بساط پر سجے ہوئے مہروں کو تبدیل کرنے میں فیصلہ کن رول پلے کرتی ہیں۔ ان نادیدہ قوتوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باوجود ان کا نام زبان پر لانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے" کے مصداق سب جانتے ہیں کہ ان میں پاکستان کے واحد سب سے بڑے اور مضبوط ادارے کے ساتھ ساتھ چچا سام کا نام بھی آتا ہے جن کی خوشنودی حاصل کرنے اور جن کے ساتھ وفاداری کا دم بھرنے میں ملک کی دونوں بڑی سیکولر جماعتیں ایک

دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے بے چین اور مضطرب رہتی ہیں۔ ہماری ان سیاسی جماعتوں نے چچا سام کو "العروۃ الوثقیٰ" کی حیثیت دی ہوئی ہے' چنانچہ جس حکمران پارٹی کا یہ کھونٹا مضبوط ہو وہ احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ چند روز قبل میاں نواز شریف کا ایک بیان قومی اخبارات نے شہ سرخی کے طور پر شائع کیا تھا "ہمیں کوئی گھر نہیں بھیج سکتا"۔ بعد میں ان کے ایک ترجمان کی طرف سے اس کی تردید بھی شائع ہوئی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اصل بات کیا تھی' تاہم ان کی جانب سے تردید کا آنا یا اپنے بیان سے رجوع کر لینا یقیناً خوش آئند ہے۔

بہرکیف پاکستان میں اقتدار کے کھیل کے سابقہ تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر مذکورہ "گرین سگنل" ملنے کے بعد مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی یہ ریلیاں مل جل کر ایک بڑے ریلے کی صورت اختیار کر لیں تو بڑی سے بڑی مضبوط حکومت بھی یہاں ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے ـــــ تاہم محض کسی حکومت کو گرانا مسئلہ کا حل بہرطور نہیں ہے۔ حکومت کو گرانے کے بعد اگلا مرحلہ کیا ہو گا؟ ـــــ سیاسی دھینگا مشتی اور افراتفری کا کیا عالم ہو گا؟ اس کے بعد مارشل لاء آئے گا یا معین قریشی کی طرز پر کوئی وزیراعظم ہمارے لئے امریکہ سے درآمد کیا جائے گا؟ ـــــ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں نہ کوئی غور و فکر کیا گیا ہے' نہ پیش بینی اور منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ سیکولر سیاسی جماعتوں کے معاملے کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہم دینی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے جن میں نمایاں ترین قاضی حسین احمد اور ڈاکٹر طاہر القادری ہیں' یہ ضرور پوچھنا چاہیں گے کہ وہ کس بنیاد پر اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ حکومت کو گرانے کے بعد اقتدار دینی جماعتوں کے ہاتھ ہی میں آئے گا اور موجودہ دینی سیاسی طاقتوں کو اقتدار و اختیار ملتے ہی ملک کو درپیش تمام مسائل یکلخت حل ہو جائیں گے ـــــ پاکستان کی گزشتہ ۵۲ سالہ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ سیکولر اور مذہبی جماعتوں نے مل جل کر تحریک چلا کر کسی حکومت کی ٹانگ گھسیٹی' لیکن کیا کبھی ایسی کسی تحریک کے نتیجے میں مذہبی قوتوں کو آج تک اقتدار حاصل ہو سکا؟ ـــــ اور کیا اقتدار کا مطالبہ کرنے والی یہ دینی جماعتیں اور ان کے قائد جو پورے ملک میں اسلام کو غالب و نافذ کرنے کا عزم رکھتے ہیں' اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے ارکان اور پیروکار خود اپنے وجود پر اور اپنے گھروں میں حقیقی اسلام کو نافذ و قائم کر چکے ہیں؟؟؟ ـــــ کون نہیں جانتا کہ اس اعتبار سے ہماری دینی جماعتوں کا معاملہ نہایت کمزور ہی نہیں تشویشناک اور انتہائی سنگین بھی ہے۔ جان لینا چاہئے کہ اسلامی انقلاب کے نبوی منہاج کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا اس میں وقت' پیسے اور صلاحیتوں کے ضیاع کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا!○○

عظمتِ مُصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک فکر انگیز خطاب
بمقام فورسیزنز ہال، یکم جولائی ۹۹ء

خطبہ مسنونہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ..... ﴾ (التوبہ : ۳۳، الفتح : ۲۸، الصف : ۹)

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا... ﴾ (سبا : ۲۸)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا : معزز حاضرین! آپ کو معلوم ہے میرا آج کا موضوع "عظمتِ مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے مجھے یہ تمہیدی بات آپ کے گوش گزار کرنی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کی عظمت کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک تو آپؐ کا مقام و مرتبہ اور آپؐ کی عظمت بحیثیت نبی ہے اور ایک آپؐ کی عظمت اور آپؐ کا مقامِ رفیع و بلند بحیثیتِ انسان ہے۔ پھر انسان کی حیثیت سے بھی ایک پہلو روحانیات کا ہے، یعنی آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ روحانی اعتبار سے اور دوسرا پہلو عام انسانی معاملات کا ہے، جن میں سے انسان اپنی زندگی کے دوران لامحالہ گزرتا ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس دنیا میں کام کرتا ہے۔ عظمتِ محمدیؐ کے یہ جو مختلف پہلو ہیں، ان میں بعض پہلوؤں کے اعتبار سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آپ ﷺ کی عظمت کا بیان تو درکنار اس کا ادراک و شعور اور فہم بھی ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔ سادہ سی مثال ہے کہ ایک معالج، ڈاکٹر یا حکیم کا اپنے فن میں کیا مقام و مرتبہ ہے، ظاہر ہے اسے صرف کوئی ڈاکٹر، حکیم یا معالج ہی جان سکتا ہے۔ اسی طرح ایک انجینئر کا اپنے فن میں کیا مقام و مرتبہ ہے، ظاہر ہے اس سے کوئی انجینئر ہی واقف ہو سکتا ہے ـــــ لہٰذا ایک نبی کی حیثیت سے

نبی اکرم ﷺ کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ یہ صرف کسی نبی ہی کے لئے ممکن ہے کہ اس کا اندازہ کر سکے، کسی غیر نبی کے لئے یہ محالِ عقلی ہے۔ مزید برآں کسی انسان کا کسی ادارے یا فرم میں کیا مقام و مرتبہ ہے اس کا صحیح تعین وہی شخص کر سکتا ہے جو اس ادارے میں اس سے بالاتر ہو، اس لئے کہ نیچے والا تو اُوپر کی طرف صرف دیکھے گا، اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے سے بلند تر مقام کے حامل شخص کا اصل مقام و مرتبہ معین کر سکے۔ ظاہر بات ہے نبی اکرم ﷺ سے بالاتر مقام کسی نبی کا نہیں، لہٰذا کسی نبی کے لئے بھی یہ محالِ عقلی ہے کہ حضورؐ کے اصل مقام و مرتبہ کو سمجھ سکے، کجا یہ کہ کوئی عام انسان اور غیر نبی حضورؐ کے مقام کا تعین کرے۔ اسی طرح روحانی اعتبار سے حضورؐ کا مقام کیا ہے؟ ظاہر بات ہے ہم جیسے لوگوں کے لئے اس کا ادراک و شعور ممکن نہیں۔

بعض اعتبارات سے خود حضور ﷺ نے اسے واضح کیا ہے کہ یہ تمہارے لئے ناممکن ہے کہ تم اِن مقامات کو سمجھ سکو!۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ صومِ وصال رکھتے تھے۔ صومِ وصال یہ ہے کہ آج روزہ رکھا اور شام کو افطار نہیں کیا اور وہی روزہ رات سے گزر کر اگلے دن تک چلا، اور اگر اگلے دن شام کو افطار کیا گیا تو یہ دو دن کا صومِ وصال ہوا، اور اگر یہی روزہ تیسرے دن تک چلا تو وہ تین دن کا صومِ وصال ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ خود صومِ وصال رکھتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو یہ روزہ رکھنے سے روکے رکھا۔ اس پر کسی صحابیؓ نے سوال کر لیا تو آپؐ نے فرمایا ((اَیُّکُمْ مِثْلِیْ)) "تم میں سے کون ہے جو میرے مانند ہو؟" ((اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ)) "میں تو اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں" ((هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ)) "وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے"۔ ہمارے لئے کس طرح ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی اس شب بسری کا تصور کر سکیں جو اللہ کے ہاں ہوتی تھی، اس کی نوعیت اور اس کی کیفیت کیا تھی! وہ کھلانا اور پلانا کس نوعیت کا تھا! معلوم ہوا کہ یہ چیز ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ میں سمجھتا ہوں بڑے سے بڑے صوفی اور بڑے سے بڑے ولی اللہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ حضورؐ کے روحانی مقام کا پورا پورا ادراک کر سکے۔

ان دونوں پہلوؤں سے جب ہماری عقلیں، ہمارا فہم اور شعور و ادراک عاجز ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اس کو بیان کرنے کی کوشش کرنا بھی بہت بڑی خطا ہے۔ یہ

بڑی خطا کس اعتبار سے ہے؟ ایک سادہ سی مثال سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ کسی دیہاتی کی کوئی مشکل تھی جسے کسی شہری بابو نے حل کر دیا' وہ شہری شخص ڈپٹی کمشنر تھا' لیکن اس دیہاتی نے اسے دعا دی کہ خدا تجھے پٹواری بنائے۔ اس لئے کہ اس دیہاتی کے نزدیک تو سب سے بڑا عہدہ اور سب سے زیادہ صاحب اختیار ہستی پٹواری کی تھی' کیونکہ اس کی ذرا سی جنبشِ قلم سے زمین کسی اور کے نام ہو جاتی ہے اور اسی کی قلم کی جنبش سے مالیانہ معاف ہو جاتا ہے۔ اس کاشتکار اور دیہاتی سے متعلق سارے اختیارات تو پٹواری کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ پٹواری سے لے کر ڈپٹی کمشنر تک کتنے عہدے درمیان میں ہیں اور وہ شخص کس بلند مقام پر فائز ہے جسے وہ دیہاتی پٹواری بننے کی دعا دے رہا ہے۔ چنانچہ اگر ہم حضور ﷺ کے مقاماتِ عالیہ کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے تو شدید خطرہ ہے کہ ہم حضورؐ کی توہین کے مرتکب ہو جائیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے مقام کا کماحقہ بیان ممکن نہیں۔ اور جب کماحقہ بیان ممکن نہیں ہے تو ہم اپنے تصور کے مطابق بیان کریں گے' جو حضور ﷺ کے اصل مقام و مرتبہ سے بہت کمتر ہو گا۔ اور اسی کا نام توہین ہے۔ شیخ سعدیؒ نے نہایت سادگی کے ساتھ اس ساری بحث کو دو اشعار میں سمو دیا ہے ؎

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ البَشر
مِن وَجْهِكَ الْمُنِیر لَقَدْ نُوِّرَ القَمر
لا یمکن الثَّناء کما کان حَقُّه
بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر

حضور ﷺ کی ثناء کا جتنا حق ہے وہ ہمارے لئے ممکن ہی نہیں ہے' لہٰذا "لا یمکن الثناء کما کان حقّه" ہمیں بس یہ کہہ کر اس بات کے دامن میں پناہ لینی ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر"۔ اللہ کے بعد آپ ہی کی ہستی عظیم ترین و بلند ترین ہے' ہم اسے کس طرح اور کیا بیان کریں؟ ہمارا تصور بلکہ ہمارا تخیل بھی سرنگوں ہے کہ وہ اس بلند و رفیع مقام کا ادراک اور شعور کر سکے۔ اسی بات کو نہایت خوبصورت انداز میں غالب نے بایں طور پر بیان کیا ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمّد ﷺ است!

کہ ہم نے آنحضور ﷺ کی ثناو حمد کو خدا (یزداں) کے حوالے کر دیا ہے۔ ہم اس کی کوشش ہی نہیں کرتے' اسی لئے کہ وہی ذاتِ پاک ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اصل مقام و مرتبہ سے واقف ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے قابلِ ادراک پہلو

میں نے دو اعتبارات سے آنحضور ﷺ کی عظمت اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کو اپنے بیان کے دائرے سے بلند و بالا' برتر' اعلیٰ و ارفع اور اس اعتبار سے خارج قرار دیا ہے۔ البتہ ہماری سمجھ میں حضور ﷺ کی عظمت کا جو پہلو آسکتا ہے وہ ہے آپؐ کی عظمت بحیثیتِ "انسان"۔ لیکن اگر اس کا بھی تجزیہ کریں گے تو بحیثیتِ انسان بھی آپؐ کی عظمت کے بے شمار پہلو ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کی حیثیت اور آپؐ کا مرتبہ و مقام بحیثیت ایک سپہ سالار کیا تھا۔ بڑے بڑے فوجی جرنیلوں سے پوچھئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے مختلف غزوات میں جو جنگی حکمت عملی اختیار فرمائی اس میں آپؐ نے کس مہارت کا ثبوت دیا' حالانکہ جنگِ بدر سے پہلے آپؐ نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ جنگِ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے صرف چند مہمات میں شرکت کی' باضابطہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی' لیکن دنیا دنگ ہے کہ جنگ کی مہارت اور اس کی حکمت عملی کو مرتب و معین کرنے میں آپؐ نے کس درجے صلاحیت و قابلیت کا ثبوت دیا۔ پھر کسی سے صلح کرنی ہوتی تو صلح کی گفت و شنید (negotiation) میں آپؐ نے کس مہارت' کیسی واقفیت اور کیسی اہلیت کا مظاہرہ فرمایا۔ صلح حدیبیہ ہو' میثاقِ مدینہ ہو' یا اس سے بھی پہلے یثرب کے مختلف طبقات کو آپس میں جمع کرنے کے لئے آپؐ نے جو معاہدہ فرمایا' اِن معاہدات کا مطالعہ کیجئے' عقلیں دنگ رہ جائیں گی۔

ایک قاضی القضاۃ کی حیثیت سے آپ ﷺ کا مقام کیا ہے؟ آج بھی اس دنیا میں "قضا" (Judiciary) کے سلسلے میں جس قدر اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ سب کے سب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ ہیں' مثلاً کسی بھی مقدمے میں ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیا جائے جب تک کہ فریق ثانی کو بھی سن نہ لیا جائے۔ یہ اصول آپؐ کا بیان کردہ ہے۔ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا' الزام لگانے والے کو نہیں۔ یہ فیصلہ محمدؐ رسول اللہ

ﷺ کا ہے۔ اسی طرح یہ اصول آپ ﷺ ہی نے بنایا ہے کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ عالمی سطح پر ہمارا پورا عدالتی نظام انہی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے ہاں کرپشن نے بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ ہماری خیانتیں' بدعنوانیاں' جانبداریاں' ہمارا بک جانا اور سیاسی لوگوں کا آلۂ کار بن جانا وغیرہ' یہ چیزیں ہیں جنہوں نے عدلیہ کا بیڑہ غرق کیا ہوا ہے' لیکن جہاں تک اصولوں کا تعلق ہے یہ اصول تو محمد عربی ﷺ کے عطا کردہ ہیں۔

اس سے ذرا نیچے اتریئے۔ حضور ﷺ کا بحیثیتِ باپ کردار کیا تھا؟ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیے۔ حضور ﷺ کا بحیثیت شوہر کردار کیا تھا اور آپؐ کی کیا عظمت تھی؟ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا' حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیے۔ پھر یہ کہ ایک داماد ہونے کے اعتبار سے آپؐ کا کیا کردار تھا؟ یہ حضرت عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہما سے پوچھیے۔ گویا کہ جتنے انسانی علائق ہو سکتے ہیں اُن کے اعتبار سے آپؐ کی شخصیت کی عظمت اور کردار کی بلندی ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ بحیثیت داعیٔ انقلاب

اسی طرح ایک داعی کی حیثیت سے آپؐ کا کیا مقام ہے؟ ایک مربّی کی حیثیت سے آپؐ کا کیا مقام ہے؟ ایک معلم کی حیثیت سے آپؐ کا کیا مقام ہے؟ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں اور ہم ان کا کچھ نہ کچھ ادراک و شعور کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تمام حیثیتوں یعنی داعی' مربی' معلم کو میں ایک لفظ میں جمع کرنا چاہتا ہوں' یعنی ایک انقلاب کے داعی اور انقلابِ عظیم کے برپا کرنے والے کی حیثیت سے آپؐ کا مقام کیا ہے؟۔ گویا کہ ہم جن پہلوؤں سے حضور ﷺ کی عظمت کو سمجھ سکتے ہیں ان میں سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے جو تبدیلی برپا کی یا اصطلاحاً جو عظیم انقلاب برپا کیا' اس انقلاب کا مطالعہ کیا جائے' اس کا حاصل اور اس کے نتائج مرتب کیے جائیں' اس کے لئے جو جِدّ و جُہد ہوئی اس کے بارے میں غور کیا جائے تو واقعتاً حضور ﷺ کی اصل عظمت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ چنانچہ یہ ہے آپؐ کی عظمت کا وہ پہلو جس کا اقرار پوری دنیا نے کیا اور جس کی گواہی پوری دنیا نے دی۔

غیر مسلموں کا اعتراف اور شہادت

واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی اس اعتبار سے نمایاں ترین صدی ہے کہ سابقہ صدیوں کے دوران حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک سے جو تعصب غیر مسلموں کو تھا وہ رفتہ رفتہ اس صدی کے دوران ختم ہوا ہے اور اس صدی کے دوران آپؐ کی عظمت کا اس پہلو سے اعتراف اور اقرار تدریجاً پوری دنیا میں ہوا ہے۔ اس صدی کے بالکل آغاز میں اسی شہر لاہور میں ایم این رائے نے ۱۹۲۰ء میں "بریڈلا ہال" میں (جو اب شاید کھنڈرات کی صورت اختیار کر گیا ہو گا یا وہاں کوئی اور چیز تعمیر ہو چکی ہو گی) ایک لیکچر دیا تھا جس کا موضوع "The Historical role of Islam" تھا۔ یہ کتاب اب بھی ہندوستان میں طبع ہوتی ہے، جسے بمبئی کا ایک ناشر شائع کرتا ہے، میں نے حیدر آباد دکن میں اس کا نسخہ دیکھا ہے، لیکن پاکستان میں کہیں دستیاب نہیں ہے۔ ایم این رائے کون تھا؟ یہ "کمیونسٹ انٹرنیشنل" کا ممبر تھا۔ روس میں ۱۹۱۷ء میں اشتراکی انقلاب آیا اور اس کے بعد پوری دنیا میں اس کا بڑا چرچا ہوا۔ اس کے بعد عالمی سطح پر کمیونزم کی جو تنظیم قائم ہوئی وہ "کمیونسٹ انٹرنیشنل" کہلاتی تھی۔ دنیا کے چوٹی کے انقلابی لوگ اس کے ممبر تھے۔ ایم این رائے ہندوستان کی جانب سے اس کا رکن تھا جو کہ بہت بڑا انقلابی تھا، لیکن وہ "Historical role of Islam" میں صاف صاف کہتا ہے اور بڑی تفصیل سے کہتا ہے کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ تھا جو محمد عربی (ﷺ) نے برپا کیا تھا۔ حضورؐ کے جانشینوں اور جاں نثاروں نے جس سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل کیں اور عراق، شام، ایران، مصر جس تیزی کے ساتھ فتح کئے، اگرچہ اس تیزی کے ساتھ تاریخ انسانی میں فتوحات پہلے بھی ہوئی ہیں، ریکارڈ پر ہے کہ سکندرِ اعظم مقدونیہ سے چلا تھا اور دریائے بیاس تک پہنچا اور وہ جس تیزی کے ساتھ علاقے فتح کرتے ہوئے آیا وہ اپنی جگہ بہت بڑی مثال ہے۔ وہ تو مغرب سے مشرق کی طرف آیا تھا جبکہ اٹیلا مشرق سے مغرب کی طرف گیا تھا۔ چین کے شمال میں صحرائے گوبی سے نکل کر وہ ڈینوب کی وادی تک جا پہنچا تھا۔ لیکن ایم این رائے کہتا ہے کہ ان فاتحین کی فتوحات محض ہوسِ ملک گیری کا شاخسانہ تھیں۔ اس نے انہیں "brute military campaigns" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اِن کے نتیجے میں کوئی نئی تہذیب یا کوئی نیا تمدن وجود میں نہیں آیا، دنیا میں کوئی روشنی نہیں پھیلی،

کوئی علم کا فروغ نہیں ہوا۔ جبکہ محمد عربی ﷺ اور آپؐ کے جانشینوں کے ذریعے سے شرقاً غرباً جو فتوحات بڑی تیزی کے ساتھ ہوئیں ہیں ان کے نتیجے میں ایک نیا تمدن 'نئی تہذیب' علم کی روشنی اور انسانی اقدار کا فروغ وجود میں آیا۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو ہر طرح کی زیادتیوں سے پاک تھا۔ اس میں سیاسی جبر نہیں تھا' اس میں معاشی استحصال نہیں تھا' اس میں کوئی سماجی فرق و تفاوت نہیں تھا۔ جیسے کہ علامہ اقبال نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا ہے ؎

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

دنیا میں اور بھی بڑے بڑے لوگ رہے ہیں جو سالہا سال تک پہاڑوں کی غاروں کے اندر تپسیائیں کرتے رہے ہیں' لیکن محمد عربی ﷺ نے غارِ حرا میں چند روز کے لئے جو خلوت گزینی اختیار کی تھی وہ اس قدر productive اور نتیجہ خیز تھی کہ اس سے ایک نئی قوم' نیا تمدن' نیا آئین اور حکومت وجود میں آگئی۔ یہ ہے آنحضور ﷺ کی وہ عظمت کہ جس کا اظہار ایم این رائے نے اس صدی کے رُبع اوّل کے آخری سالوں میں کیا' جو مسلمان نہیں' ہندو کمیونسٹ تھا۔

دوسری طرف اس صدی کے رُبع آخر کے ابتدائی سالوں میں امریکہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی کتاب "The Hundred" ۱۹۸۰ء میں منظرِ عام پر آئی' جس میں اس نے پوری معلوم تاریخ انسانی کا جائزہ لیا ہے کہ تاریخ کے سفر کے دوران کن کن شخصیات نے اس تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے۔ اس نے ایسے سو افراد کو چُن کر اُن پر کتاب لکھی ہے اور ان کے اندر بھی درجہ بندی (Gradation) کی ہے کہ کس شخصیت نے سب سے زیادہ تاریخ کے دھارے کو متاثر کیا ہے اور سب سے زیادہ گھمبیر انداز میں اسے موڑا ہے۔ چنانچہ اُس نے حضرت محمد ﷺ کو اس درجہ بندی میں سب سے اُوپر رکھا ہے۔ اس کتاب کا مصنف تاحال عیسائی ہے اور ابھی زندہ ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرے نمبر پر لایا ہے جبکہ نیوٹن کو دوسرے نمبر پر لایا ہے۔ نیوٹن کی فزکس نے جس طرح سے تاریخ انسانی کو متاثر کیا ہے اس میں واقعتاً کوئی شک نہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے پورے explosion کا نقطۂ آغاز نیوٹن ہے۔ شخصیات کے انتخاب اور

درجہ بندی میں مؤلف نے کوئی مذہبی پہلو مدنظر نہیں رکھا' نہ ہی اپنے عقائد کو پیش نظر رکھا ہے' بلکہ اس کا موضوع ہی یہ ہے کہ تاریخ انسانی کے دھارے کے رخ کو موڑنے والی کون کون سی شخصیات ہیں۔ ان شخصیات میں نمبر ایک پر محمدؐ رسول اللہ ﷺ' نمبر دو پر نیوٹن اور نمبر تین پر حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ مسلمانوں میں سے اس نے ایک اور شخصیت کو اِن سو کی فہرست میں شمار کیا ہے اور وہ ہیں ٹھیک پچاسویں نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' بلکہ اس نے خود سوال اٹھایا ہے کہ میں ایک عیسائی ہوں اور عیسائی ہوتے ہوئے محمد (ﷺ) کو میں نمبر ایک پر کس اعتبار سے رکھ رہا ہوں؟ اس کا جواب وہ خود دیتا ہے :

"This is because he is the only person supremely successful in both the religious and the secular fields."

یہ بہت گھمبیر اور معانی خیز جملہ ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ اس وقت کی عالمی فضا میں انسانی زندگی کو دو جداگانہ گوشوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک مذہب کا گوشہ ہے' اس کا تعلق اجتماعیات سے نہیں ہے' بلکہ صرف افراد سے ہے کہ ہر فرد کو اجازت ہے کہ جس کو چاہے مانے' جس پر چاہے یقین رکھے' ایک خدا کو مانے' سو کو مانے' کسی کو نہ مانے' فرد کو اس کی پوری آزادی حاصل ہے' جسے چاہے پوجے' پتھروں کو پوجے' درختوں کو پوجے' ستاروں کو پوجے' چاند کو پوجے' یہاں تک کہ اعضاءِ تناسل کو پوجے' ٹھیک ہے اسے اجازت ہے۔ لیکن یہ معاملہ انفرادی ہے۔ اس میں مراسم عبودیت (rituals) کے علاوہ کچھ سماجی رسومات (Social customs) کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً بچے کی پیدائش ہوئی ہے تو اس کی خوشی کیسے منائیں' کوئی فوت ہو گیا ہے تو اس کی میت کو کیسے ٹھکانے لگائیں؟ جلائیں' دفن کریں یا کہیں رکھ دیں کہ چیل اور کوے کھا جائیں' وغیرہ۔ اس کی بھی ہر شخص کو آزادی ہے۔ لیکن یہ تینوں چیزیں عقیدہ (dogma)' مراسم عبودیت (rituals) اور سماجی رسوم (Social customs) انفرادی زندگی سے متعلق ہیں ـــــ دوسری طرف معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام کا تعلق زندگی کے سیکولر میدان سے سمجھا جاتا ہے جس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر تو لوگ خود غور کریں گے' ان کے نمائندے بیٹھیں گے اور طے کریں گے' اور وہ

بیٹھ کر اکثریت سے جو طے کریں وہی سماجی اقدار فروغ پا جائیں گی۔ جو بھی اکثریت سے طے کرلیں کہ یہ سماجی برائیاں ہیں ان کا وہ قلع قمع کریں گے۔ اگر وہ شراب کی اجازت دینا چاہیں تو دیں اور اگر شراب پر پابندی لگانا چاہیں تو پابندی لگائیں۔ زنا کو قابلِ دست اندازیٔ پولیس جرم قرار دینا چاہیں گے تو دے دیں گے' اگر زنا بالرضا ہے تو اس میں کوئی جرم والی بات ہی نہیں۔ اگر اس میں کسی شوہر کا حق مارا گیا ہو تو وہ جائے اور سِول مقدمہ دائر کردے۔ اسی طرح اگر چاہیں گے تو دو مردوں کی شادی کو بھی قانونی حیثیت دے دیں گے کہ ٹھیک ہے ایک شخص ملکی قانون میں شوہر کی حیثیت اور دوسرا شخص بیوی کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا سماجی' معاشی یا سیاسی معاملات میں سے کسی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ secular field of life ہے۔

اب نوٹ کیجئے کہ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کا یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنی عظیم شخصیات ہیں وہ اگر ایک پہلو سے بلندی کی حامل ہیں تو دوسری طرف ان کا سرے سے کوئی مقام نہیں' ممکن ہے وہ کسی معاملے میں صفر ہوں' بلکہ شاید ان کے لئے کوئی minus value معین کی جائے۔ مثلاً مشرق میں گوتم بدھ اور مغرب میں حضرت مسیح علیہ السلام' دونوں کی مذہب اور روحانیت کے میدان میں اور پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے کتنی عظمت ہے' لیکن ریاست' سیاست اور معاملاتِ ملکی میں ان کا کوئی مقام اور کوئی حصّہ نہیں' اس میں وہ دونوں صفر تھے۔ اسی طرح دوسری طرف اٹیلا ہو' سکندر اعظم ہو یا اور بہت بڑے بڑے حکمران جو دنیا میں گزرے ہیں' یہ سیکولر میدان میں تو بہت بلندی پر ہیں لیکن مذہبی میدان میں اس درجے پستی کا شکار ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صفر سے بھی کام نہ چلے بلکہ منفی (minus) ویلیو لانی پڑے۔ سکندر اعظم کے لئے لازماً کوئی نہ کوئی منفی (minus) ویلیو لانی پڑے گی۔ مائیکل ہارٹ کا کہنا یہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف ایک ہی انسان (The only person) ہے جو دونوں میدانوں میں انتہائی بلندی پر ہے۔

He is the only person supremely successful in both the religious and secular field.

یعنی اور کوئی ہے ہی نہیں' اس کا تقابل کیا ہو گا؟

یہ میں نے آپ کو صدی کے اُس سرے اور اِس سرے سے دو مثالیں دی ہیں۔

اب ذرا صدی کے درمیان سے بھی مثال دے دوں۔ H.G.Wells برطانوی سائنٹیفک فکشن رائٹر کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے بڑے اچھے اچھے ناول اور کہانیاں لکھیں جن میں اس نے یہ reflect کیا کہ سائنس کدھر جا رہی ہے۔ سائنس کی جو ایجادات اور جو اکتشافات ابھی ہونے تھے ان کو پہلے سے visualise کر کے ان پر اس نے اپنی کہانیوں اور ناول کے بنیادی خاکے اور پلاٹس کو بنی کیا۔ لہٰذا وہ Scientific fiction کے اعتبار سے مشہور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے تاریخ عالم پر دو کتابیں "Short History of the World" اور "Concise History of the World" لکھیں۔ مؤخر الذکر کتاب زیادہ ضخیم ہے اور اس میں آنحضور ﷺ پر جو باب ہے اس میں اس نے (میں اپنے دل پر جبر کر کے آپ کو بتا رہا ہوں کہ) ابتداء میں حضور ﷺ کی ذاتی، نجی اور خانگی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں۔ یوں سمجھئے جیسے دو ملعون نام نہاد مسلمانوں، انگلینڈ میں سلمان رشدی اور بنگلہ دیش میں تسلیمہ نسرین نے، آنحضور ﷺ کی شخصیت پر جس قدر چھینٹے اڑائے ہیں اسی طرح کے چھینٹے H.G.Wells نے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پر خصوصاً خانگی زندگی کے حوالے سے اڑائے ہیں، لیکن جب وہ اس باب کے اخیر میں پہنچتا ہے اور خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر کرتا ہے تو آنحضور ﷺ کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ آپؐ کے الفاظ نقل کرتا ہے :

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى، كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ))

"لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں! اسی طرح کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں! کسی سرخ و سفید رنگ والے شخص کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اسی طرح کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں! فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے، تم سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے"۔

ان جملوں کا وہ باقاعدہ حوالہ دیتا ہے اور پھر لکھتا ہے :

"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before. We find a lot of these sermons in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Mohammad who for the first time in history established a society based on these principles."

"اگرچہ انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت سے کہے گئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت سے مواعظ حسنہ ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ صرف محمد عربی (ﷺ) تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ بالفعل ایک باضابطہ معاشرہ انہی اصولوں پر قائم کرکے دکھایا"۔

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ دشمن کا خراج تحسین ہے جو کہ معتقد نہیں ہے۔ میں نے اسی لئے جبر کرکے بتایا ہے کہ وہ شخص اتنی بڑی حماقت کا مظاہرہ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ "سمجھ میں نہیں آتا کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' نقل کفر کفر نباشد) محمد جیسے گھٹیا آدمی کے گرد خدیجہ' ابوبکر' عثمان اور عمر جیسے عظیم انسان کیسے جمع ہو گئے"۔ حالانکہ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ اس سوال کا جواب تو تمہیں دینا چاہئے۔ درخت تو اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ تم مجھے میں ہو جبکہ تمہیں حضرت خدیجہ' ابوبکر' عمر' عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی عظمت کا اعتراف و اقرار ہے پھر بھی تمہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی عظیم شخصیتیں محمد (ﷺ) کے گرد کیسے جمع ہو گئیں۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان لوگوں کے دل و دماغ کے اندر ذاتی طور پر کتنا عناد' بغض اور دشمنی ہے' لیکن اس کے باوجود وہ اس حقیقت کے اعلان و اعتراف پر مجبور ہے کہ محمد عربی ﷺ کے ہاں انسانی حریت و اخوت و مساوات کے صرف وعظ ہی نہیں ملتے بلکہ آپؐ نے ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ قائم کرکے دکھایا۔ سچ ہے کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" یعنی اصل فضیلت تو وہ ہے جس کا اعتراف و اقرار دشمن بھی کریں۔ گویا جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ظاہر بات ہے جو دوست ہے' عقیدت مند ہے اور محبت کرنے والا ہے' اس کی نگاہ تو محبوب کی کسی خامی کو دیکھ ہی نہیں سکتی' اس کی طرف سے تو گویا وہ نابینا ہو جاتی ہے جبکہ دشمن میں کوئی خیر اور خوبی نظر نہیں آتی' لیکن اگر کوئی دشمن کسی کی فضیلت کا اعتراف کرے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہاں البتہ ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ آنحضور ﷺ کی مدح میں H.G.Wells نے

اپنی کتاب میں یہ جملے جو لکھ دیئے تھے انہیں کتاب کے موجودہ مرتبین اور نئے ایڈیٹرز نے حذف کر دیا ہے۔ یہ جملے ان کے حلق سے نیچے نہیں اُتر پائے۔ H.G.Wells کو تو فوت ہوئے بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ اب "Concise History of the World" کا جو نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں وہ جملے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ کڑوی گولی تھی جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر پائی۔ لیکن آپ کو پنجاب پبلک لائبریری یا کسی اور پرانی لائبریری سے یہ پرانے نسخے مل جائیں گے جس میں مذکورہ بالا الفاظ موجود ہیں۔

انقلابِ نبویؐ کا دیگر انقلابات سے تقابل

محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اصل عظمت جس کو ہم بحیثیتِ انسان سمجھ سکتے ہیں، جس کا لوہا آج پوری دنیا مان رہی ہے اور جس کا انکشاف پورے عالم انسانی پر ہو چکا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے ایک عظیم ترین، گھمبیر ترین، جامع ترین اور ہمہ گیر ترین انقلاب برپا کیا اور یہ انقلاب کم از کم وقت میں برپا کیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ اس انقلابی جِدّوجُہد کی ابتداء سے لے کر اختتام تک جتنے مراحل بھی آئے آنحضور ﷺ نے اس کے ہر مرحلے پر قیادت کی ذمہ داری خود ادا فرمائی۔ اس اعتبار سے تقابل کر لیجئے کہ تاریخ انسانی کے دو انقلابات بہت مشہور ہیں۔ انقلابِ فرانس یقیناً ایک بہت بڑا انقلاب تھا، دنیا سے بادشاہت کے خاتمے اور جمہوریت کے دَور کا آغاز اسی انقلابِ فرانس سے ہوا، جو سوا دو سو برس قبل کی بات ہے۔ انقلابِ روس یعنی بالشویک انقلاب بھی یقیناً ایک عظیم انقلاب تھا، جو ۱۹۱۷ء میں آیا۔ اگرچہ ستّر برس کے اندر اندر اس انقلاب کی موت واقع ہو گئی لیکن کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ وجود میں آیا تھا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ پھیلتے ہوئے روس سے لاطینی امریکہ تک جا پہنچا۔ کتنی عظیم توسیع بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ہوئی ہے۔ لیکن ان دونوں انقلابات کا جائزہ لیں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں :

① دونوں جزوی انقلاب ہیں۔ انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا، باقی عقائد، رسومات، سماجی نظام، سماجی اقدار، معاشی نظام اور تمام معاشی ادارے اسی طرح قائم رہے۔ سیاسی نظام کے سوا باقی زندگی جوں کی توں رہی۔ دوسری طرف بالشویک انقلاب کے ذریعے معاشی ڈھانچہ بدل گیا، اس میں انفرادی ملکیت ختم ہو گئی، تمام وسائلِ

پیداوار قومی ملکیت میں آ گئے' لیکن مکمل تبدیلی نہیں آئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں جیسے پہلے کرنسیں موجود تھے اسی طرح بعد میں بھی رہے' جو عقائد پہلے تھے وہی بعد میں رہے۔ سماجی اقدار بھی وہی رہیں۔ سارا نقشہ جوں کا توں رہا' بس معاشی انقلاب آ گیا۔ اس کو پس منظر میں رکھ کر دیکھئے محمدِ عربی ﷺ کا لایا ہوا انقلاب کس قدر جامع اور گھمبیر ترین تھا۔ یہاں آپ خوردبین لگا کر دیکھ لیجئے' کیا کوئی ایسی چیز ہے جو سابقہ حالت میں باقی رہ گئی ہو؟ جواب نفی میں ملے گا۔ عقائد و نظریات بدل گئے' شخصیتیں بدل گئیں' اخلاق بدل گئے' ان کے شب و روز کے انداز بدل گئے' صبح و شام بدل گئے' نشست و برخاست کے انداز بدل گئے' پھر یہ کہ سماجی نظام' سیاسی نظام اور معاشی نظام بدل گیا۔ وہ قوم جس میں پڑھے لکھے لوگ بمشکل انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے وہ علوم کے موجد ہو گئے' دنیا کے استاد بن گئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کے علوم ہندو یونان سے لئے اور انہیں ترقی دے کر پورے عالم میں پھیلا دیا۔ آپؐ کا انقلاب ہمہ گیر ترین' جامع ترین اور عظیم ترین انقلاب تھا۔ انقلابِ محمدیؐ کے مقابلے میں انقلابِ روس اور انقلابِ فرانس کی کیا حیثیت ہے؟ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

② فرانس اور روس کے انقلابات بلکہ دنیا کے دوسرے تمام انقلابات کے اندر یہ چیز قدر مشترک ہے کہ فکر دینے والے اور دعوت کا آغاز کرنے والے کچھ اور لوگ تھے' لیکن وہ صرف قلم کار اور مصنفین تھے' وہ مردِ میدان نہیں تھے' چنانچہ وہ انقلاب کی عملی جِدّوجُہد میں سامنے نہیں آئے۔ نہ انہوں نے خود آگے بڑھ کر کوئی انقلابی جماعت بنائی اور نہ آگے بڑھ کر انقلابی جدّوجُہد کی قیادت کی۔ وہ تو صرف people of the desk تھے۔ انقلاب کچھ اور لوگوں کے زیرِ قیادت و زیرِ راہنمائی وجود میں آیا' کیونکہ انقلابی فکر فراہم کرنے والے میدان کے آدمی تھے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب فرانس بڑا خونی انقلاب کہلاتا ہے' کیونکہ قیادت کوئی نہیں تھی' وہ تو ایک فکر تھا جو پھیل گیا اور اس نے لوگوں میں جوش و خروش پیدا کر دیا' اور پھر اچانک وہ لاوا پھٹ پڑا۔ چونکہ کوئی تنظیم نہیں تھی اور کوئی قیادت نہیں تھی لہٰذا انتہائی خونی انقلاب آیا۔ روس میں بالشویک انقلاب کی بنیاد "Das Capital" نامی کتاب بنی' جو کارل مارکس اور اینجلز نے مشترکہ طور پر لکھی۔ اندازہ کیجئے کہ یہ کتاب کتنے ٹھوس دلائل پر مبنی

ہو گی کہ اس نے کس طرح انسانی ذہن کو اپنی گرفت میں لیا اور کس طرح ساری تعبیرات کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کتاب میں پوری حیاتِ انسانی کی خالصتاً مادی تعبیر کی گئی ہے اور مذہب و روحانیات کی بالکل نفی کی گئی ہے' لیکن اس کتاب کے دلائل نے لوگوں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے کر انہیں متحرک کیا کہ لوگ جانیں تک دینے کو تیار ہو گئے اور انقلاب برپا کر دیا۔ اقبال نے یونہی نہیں کہا کہ ؎

"نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!

تو واقعتاً اس ایک کتاب نے یہ بالشویک انقلاب برپا کیا ہے' جس کے مصنف مارکس اور اینجلز تھے۔ ان دونوں نے اپنی یہ کتاب جرمنی اور لندن میں بیٹھ کر لکھی' لیکن جرمنی اور لندن میں کوئی انقلاب واقع نہیں ہوا۔ پھر یہ دونوں مصنف اپنی زندگی میں اپنی قیادت اور سرکردگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکے۔ انقلاب تو وہاں سے ہزاروں میل دور بالشویک پارٹی کے ذریعے روس میں آیا۔ اور جس طرح انقلابِ ایران سے پہلے خمینی صاحب فرانس میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور انہوں نے عین وقت پر آ کر ایران میں ہونے والے ہنگاموں کی قیادت سنبھال لی' اسی طرح عین وقت پر لینن نے آ کر اس تحریک کو ہائی جیک کیا اور انقلاب برپا کر دیا۔

اس تناظر میں دیکھئے کہ محمد عربی ﷺ نے ایک فرد واحد کی حیثیت سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ ہی فکر دینے والے تھے' آپ ہی دعوت دینے والے تھے' آپ ہی مکے کی گلیوں میں گھوم پھر کر تبلیغ کر رہے تھے ((یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا)) "اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کوئی الٰہ نہیں' کامیاب ہو جاؤ گے"۔ آپ ہی ہیں جو کبھی اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے ان کے سامنے دعوت پیش کر رہے ہیں اور کبھی کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارتے ہوئے لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور دعوت پیش کرتے ہیں۔ آپ ایک فرد واحد اور داعی کی حیثیت سے سامنے آئے اور کل بائیس برس میں پورے جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب کی تکمیل کر دی اور ہر ہر مرحلے پر اس کی قیادت خود فرمائی۔ وہی گلیوں میں تبلیغ کرنے والے غزوۂ بدر میں کمانڈر ہیں' غزوۂ احد میں وہی سپہ سالار ہیں۔ جیسے کہ میں نے مائیکل ہارٹ کی کتاب کا حوالہ دیا ہے' یہ نقشہ دنیا نے کبھی دیکھا ہی نہیں' اس کی کوئی نظیر یا مثال ہی نہیں۔ کیونکہ گلی کوچوں میں

تبلیغ کرنے والے تو یہی کام کرتے رہ جاتے ہیں' مربی اور مزکی کا اپنا ایک دائرہ ہوتا ہے' جو اُن کے پاس چل کر آئیں' ان کی خانقاہ میں طالب بن کر آئیں تو ان کا کچھ تزکیہ کر دیں گے' کچھ اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن یہ منظر چشم فلک نے ایک ہی بار دیکھا ہے کہ ایک فرد واحد فکر دے رہا ہے' وہی دعوت دے رہا ہے اور اس مرحلے میں بظاہر کیسی کیسی ناکامیاں سامنے آتی ہیں۔

جب پہلی مرتبہ حکم ہوا ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (الشعراء : ۲۱۴) "(اے نبی!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجئے" تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو کہ آپؐ کے زیر کفالت اور زیر تربیت تھے اور گھریلو سامان لانا اور اس کا بندوبست کرنا انہی کے ذمہ تھا' حکم دیا کہ ایک دعوتِ طعام کا انتظام کرو اور تمام بنو ہاشم کو بلاؤ۔ چنانچہ دعوت کا اہتمام ہوا اور تمام بنی ہاشم جمع ہو گئے۔ جب لوگوں نے کھانا کھالیا تو اب حضور ﷺ بات کرنے کے لئے کھڑے ہوئے' لیکن کچھ لوگوں نے ہو ٹنگ کی' کچھ نے فقرے چست کئے اور کچھ نے شور مچایا اور سارا مجمع چلا گیا۔ حضورؐ اپنی بات کہہ بھی نہ سکے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ادھر آپؐ نے اپنی جدّوجُہد کا آغاز کیا اور اُدھر کامیابیوں نے قدم چومنے شروع کر دیئے ہوں۔ آنحضور ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد کے اس اہم نکتے کو نوٹ کر لیجئے کہ یہ جِدّوجُہد خالص انسانی سطح پر ہوئی اور اس میں وہ سارے مراحل آئے جو کسی بھی انسانی جدّوجُہد میں آتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی طور پر ناکامیاں اور مایوسیاں بھی آئیں' بے پناہ محنت اور مشقت کا نتیجہ مرئی طور پر صفر دکھائی دیتا تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے چند دن کا وقفہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوبارہ فرمایا کہ پھر دعوت کا اہتمام کرو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ شاید لوگوں کو شرم آگئی ہو' آخر اتنی شرافت تو ان لوگوں کے اندر بھی تھی کہ دو دفعہ ان کے دسترخوان پر کھانا کھالیا ہے' اب آخر ان کا حق بن گیا ہے کہ ان کی بات سن لیں۔ چنانچہ حضورؐ نے دعوت پیش کی۔ آپؐ نے نہایت عظیم' مختصر مگر جامع اور نہایت مؤثر خطبہ پیش کیا۔ بہرحال لوگوں نے سن لیا اور پورے مجمع کو سانپ سونگھ گیا کہ کوئی نہیں بولا۔ اس پر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اگرچہ میں سب سے کم عمر ہوں' اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں' اگرچہ میری آنکھیں دکھتی ہیں' لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آشوبِ چشم کا عارضہ بچپن ہی سے تھا' معلوم ہوتا ہے ککروں کا مرض تھا جو بچپن ہی

سے شروع ہو تا ہے۔ مختلف جنگوں کے مواقع پر حضرت علیؓ کی آنکھ دکھتی تو حضورؐ اپنا لعابِ دہن لگا دیتے جس سے انہیں کچھ سکون حاصل ہوتا اور پھر وہ جنگ میں حصّہ لے سکتے۔) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر پورا مجمع کھلکھلا کر ہنس پڑا کہ یہ دنیا کی تقدیر بدلنے چلے ہیں اور یہ ہیں ان کے ساتھی! ذرا غور کیجئے کہ یہاں سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جدّوجُہد کا آغاز ہو رہا ہے۔

اس کے بعد حکم آتا ہے کہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ "(اے نبی!) ڈنکے کی چوٹ کہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے"۔ شروع میں تین سال تک حضور اکرم ﷺ نے انفرادی طور پر ذاتی رابطے کے ذریعے دعوت کو پھیلایا۔ تاہم یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی میں خفیہ دعوت کا کوئی دور نہیں آیا' آپؐ نے کوئی بات خفیہ طور پر نہیں کی' آپؐ کی کوئی زیر زمین سرگرمیاں نہیں تھیں۔ البتہ low profile میں ذاتی رابطوں کے ذریعے یہ بات پھیلائی' لیکن اب حکم آگیا "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" یعنی "(اے محمدؐ!) اب ڈنکے کی چوٹ کہو جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے" تو آپؐ کوہِ صفا پر چڑھے۔ اب تو کوہِ صفا کی بس علامت باقی رہ گئی ہے' حضورؐ کے زمانے میں وہ باقاعدہ پہاڑی تھی' ایسی پہاڑی کہ جس کے پیچھے کوئی لشکر بھی چھپ سکتا تھا۔ کوہِ صفا پر چڑھ کر آنحضور ﷺ نے عرب کے مروّجہ دستور کے مطابق قوم کو ندا دی۔ یہیں سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعوت و ابلاغ کے لئے اپنے زمانے میں جو بھی مروجہ طریقے ہوں ان سب کو اختیار کیا جانا چاہئے۔ البتہ اگر حیا اور شرافت کے منافی کوئی شے ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ اُس دَور میں غارت گری اور لوٹ مار کے لئے قبائل ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ یہ حملہ عام طور پر رات کو ہوتا' بلکہ رات کے بھی پچھلے پہر small hours of the morning میں' یعنی رات کے دو' تین' چار بجے' جبکہ نیند کا انتہائی غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت سوئے ہوؤں پر آکر ٹوٹ پڑنا اور قتل و غارت گری اور لوٹ مار کر کے بھاگ جانا' یہ ان کا ایک عام رواج تھا۔ لہٰذا کسی قبیلے کے کسی فرد کو اگر یہ اطلاع مل جاتی کہ کوئی قبیلہ ان پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو وہ بلند مقام پر چڑھ کر کپڑے اتار کر مادر زاد برہنہ ہو کر نعرہ لگاتا تھا کہ "وَاصَبَاحَا" (ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے) یعنی جس میں غارت گری' لوٹ مار اور کشت و خون ہو گا۔ اب اس میں دونوں صورتیں یعنی

سمعی اور بصری جمع ہو جاتیں۔ اس لئے کہ جہاں تک تو اس کی آواز جا رہی ہوتی وہاں تک لوگ اس کی آواز کو سنتے اور دوڑے چلے آتے اور جہاں اس کی آواز نہیں جا رہی ہوتی تو وہ کھڑا ہوا عریاں نظر آتا۔ اسی لئے اسے "نذیر عریاں" کہا جاتا تھا' یعنی وہ خبردار کرنے والا' متنبہ کرنے والا جو بالکل ننگا ہو گیا ہو۔

حضور ﷺ نے بھی قوم کو آگاہ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا اور کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ آپؐ نے اس طریقے میں صرف یہ کمی کی کہ آپؐ نے کپڑے نہیں اُتارے' کیونکہ ظاہر بات ہے یہ حیا و فطرت کے خلاف ہے اور آپؐ کے لئے ایسا کرنا ناممکن تھا' لیکن نعرہ وہی لگایا کہ "وَاصَبَاحَا"۔ اب لوگ آکر جمع ہو گئے اور انہوں نے آپؐ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپؐ اونچائی پر کھڑے تھے' آپؐ نے قوم کو اپنی دعوت پیش کی۔ اس پر آپؐ کا چچا ابولہب کہنے لگا "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" تمہارے لئے ہلاکت و بربادی ہو' کیا تم نے ہمیں اس کام کے لئے جمع کیا ہے؟" ہم تو سمجھے تھے کہ تم واقعتاً کوئی خبر دینے والے ہو' کوئی بات بتانے والے ہو۔ نوٹ کیجئے کہ حضورؐ نے پہلے فرمایا کہ لوگو! میں اگر تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات مانو گے یا نہیں؟ یعنی وہ پہاڑی اتنی بڑی تھی کہ اس کے پیچھے کوئی لشکر چھپ سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ضرور' اس لئے کہ آپؐ پہاڑ کی بلندی پر کھڑے ہیں اور پہاڑ کے دونوں جانب دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں' آپؐ تو الصادق اور الامین ہیں۔ آپؐ نے لوگوں سے پہلے یہ گواہی لے کر بات کی ہے کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں' آخرت کے محاسبے سے خبردار کرتا ہوں۔ جس پر آپؐ کے چچا نے کہا تھا کہ "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" اس پر پھر یہ سورۃ نازل ہوئی :

﴿ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ○ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ○ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ○ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ○ ﴾

یہ میں نے آنحضور ﷺ کی دعوت کے دو مناظر آپ کو دکھائے ہیں' اندازہ کیجئے کہ دل کو توڑ دینے والا آغاز ہے' انسان کے لئے کس قدر ہمت شکن اور صبر آزما ہے یہ معاملہ جس سے کہ آغاز ہوا ہے۔

دس برس کی محنتِ شاقّہ کا حاصل

الغرض حضور ﷺ کی پورے دس برس کی محنت و مشقت کو ذہن میں رکھئے کہ آپؐ جیسا مبلّغ، آپؐ جیسا مربّی، مزکّی اور معلّم نہ پہلے پیدا ہوا نہ کبھی ہو سکتا ہے، کیونکہ حضورؐ کی نظیر محالِ مطلق ہے۔ آپؐ کی نظیر کوئی ہوئی ہے نہ ہو گی۔ لیکن مکّہ میں آپؐ کی دس برس کی شب و روز کی محنت شاقہ کا تصور کیجئے، جس میں دن کی مشقت کا یہ عالم ہے کہ ﴿ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴾ آپؐ دن کے اوقات میں گھوم رہے ہیں، گلی کوچوں میں تبلیغ کر رہے ہیں، گھر گھر جا کر دستک دے رہے ہیں اور رات کی یہ کیفیت ہے کہ ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾ آپؐ دن میں لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں تو رات کو کھڑے ہو کر جھولی پھیلا کر اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کو میری جھولی میں ڈال دے۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی دس برس تک شب و روز کی محنتِ شاقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سو سوا سو یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو افراد آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ ۶۱۰ عیسویں میں وحی کا آغاز ہوا تو لگ بھگ ۶۲۰ عیسوی کو حضورؐ نے عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔ کیونکہ اسی سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی ایک وفادار، وفا شعار اور محبت کرنے والی زوجہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ باہر سے آدمی تکدّر لے کر آتا ہے تو مونس و غم خوار شریکۂ حیات اسے زائل کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ کوئی پاگل کہتا ہے، کسی نے مجنون کہہ دیا ہے، کسی نے شاعر کہہ دیا ہے، کسی نے کہا کہ یہ ہم پر دھونس جماتے ہیں، انہوں نے ایک عجمی غلام کو اپنے گھر کے اندر بند کر رکھا ہے جو بڑا عالم فاضل ہے، توراۃ اور انجیل کا جاننے والا ہے، یہ اس سے ڈکٹیشن لیتے ہیں، اسے یاد کر کے پھر ہم پر آ کر دھونس جماتے ہیں۔ حضور ﷺ سب کچھ سنتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا قلب انتہائی حساس تھا، اور یہ باتیں سن کر آپؐ کو رنج اور افسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ یعنی "اے نبی! ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے" آپ کو تکدّر، غم، رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہی تو وہ لوگ تھے جو کبھی میری راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے تھے، یہی لوگ مجھے صادق اور امین کا خطاب

دیتے تھے' یہ مجھ سے انتہائی محبت کرنے والے لوگ تھے' لیکن انہی میں سے آج کوئی مجنون کہہ رہا ہے' کوئی پاگل کہہ رہا ہے' کوئی شاعر' کوئی ساحر' کوئی مسحور اور کوئی کذاب کہہ رہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) یہ سب کچھ سن کر آپؐ گھر آتے تھے تو گھر پر کوئی تسلی دینے والی تھی' لیکن اب وہ نہیں رہی تھی۔ آپؐ کو معلوم ہے کہ یہ واقعات بڑے اہم ہیں۔ جب پہلی وحی آئی تو حضور ﷺ پر ایک دہشت اور گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ عالم بشریت کا پہلا معاملہ تھا جو عالم ملکیت کے ساتھ ہوا تھا۔ غار حرا میں جبرائیل سے پہلی ملاقات ہوئی تھی' اس سے آپ ﷺ پر طبعاً گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ آپؐ گھر آئے تو کانپ رہے تھے' پھر بخار ہوا اور اس میں آپؐ نے کہا ہے کہ "خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ" یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ ایسے میں وہی غم خوار اور ہمت بندھانے والی زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے کہا کہ "اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا' آپؐ فکر مت کیجئے' آپؐ یتیموں کی سرپرستی کرتے ہیں' بیواؤں کی خبر گیری کرتے ہیں' آپؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں' غریبوں کی خدمت کرتے ہیں' اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا"۔

آنحضور ﷺ کی پچیس برس تک کی زندگی بڑی محنت و مشقت اور افلاس میں گزری ہے۔ عین بچپن میں آپؐ بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ حضور ﷺ کے اپنے الفاظ ہیں کہ میں چند ٹکوں کے معاوضے میں (عَلٰی قَرَارِیْطَ) میں بھیڑ بکریاں چراتا رہا۔ اس لئے کہ ابو طالب بہت ہی مفلس انسان تھے۔ حضورؐ کی سرپرستی تو وہ کر رہے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ خاندان ابو طالب کی پرورش رسول اللہ ﷺ نے اپنی محنت و مشقت اور مزدوری سے کی ہے۔ پھر آپؐ نے ملازمت کی شکل میں تجارت شروع کی۔ یہ مشقت اور افلاس کے دن تھے' جن کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝﴾ "اللہ نے آپ کو تنگ دست پایا تو آپ کو غنی کر دیا"۔ اللہ نے آپؐ کو غنی کس طرح سے کیا؟ پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی ہوئی جو عرب کی متمول ترین خاتون تھیں۔ یہ شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اپنی فرمائش پر ہوئی۔ آپؓ انتہائی محبت کرنے والی شریکۂ حیات تھیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضورؐ کے پچیس سال سے

لے کر پچاس سال کی عمر کے درمیان کہیں پیش آیا کہ حضورؐ ایک دفعہ کہیں مکّہ مکرمہ سے باہر نکل گئے۔ مکّہ کے باہر پہاڑوں کے درمیان مختلف وادیاں ہیں' ایک وادی میں آپؐ نے دیکھا کہ کوئی قبیلہ آکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جو انتہائی مفلوک الحال ہے' جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے' تن پر کپڑے نہیں ہیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ گھر آئے اور انتہائی ملول اور غمگین ہو کر چادر لے کر لیٹ گئے۔ اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں فلاں وادی میں گیا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہاں ایک قبیلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جس کا حال یہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس دولت نہیں ہے کہ میں ان کی مدد کروں۔ کیونکہ سرمایہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا' آپ ﷺ کی اپنی ذاتی دولت تو نہیں تھی۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپؐ جایئے اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو بلا لایئے۔ حضورؐ انہیں بلا کر لائے تو اتنی دیر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اشرفیوں کا اتنا بڑا ڈھیر لگا دیا کہ جب حضور ﷺ آکر بیٹھے تو اس کے پیچھے چھپ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ سب گواہ رہیں' میں نے یہ ساری دولت محمد ﷺ کے حوالے کر دی ہے' وہ جیسے چاہیں اسے خرچ کریں۔ حضرت خدیجہؓ ایسی بیوی تھیں' انہوں نے ہر طرح آپؐ کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجہؓ کا کیا مقام تھا' ہم میں سے اکثر اس سے واقف نہیں۔ ہمارے ہاں تو بعض محترم شخصیات کے مابین افضلیت کا جھگڑا ہے ؏

اے گرفتارِ ابوبکر و علی ہشیار باش!

اہلِ سنّت کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت مسلمہ ہے اور دونوں اسی میں گرفتار ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا جھگڑا ہے۔ ایک گروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور دوسرا گروہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ بلند کرتا ہے' لیکن حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر اول تو کہیں ملتا نہیں' اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو بہت کم۔ دو تین سال پہلے جب میں ایران گیا تھا تو وہاں کے مشاہدات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے وہاں خواتین یونیورسٹی قائم کی ہے جس کا نام "جامعۃ الزہراء" رکھا ہے۔ انہوں نے اس یونیورسٹی کا نام حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام پر رکھا ہے۔ یونیورسٹی کے چوٹی کے سٹاف اور انتظامیہ

سے جب ایک ملاقات میں مَیں نے کہا کہ کاش کہ آپ نے اس کا نام جامعہ خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) رکھا ہوتا تو وہ چونکے۔ میں نے کہا کہ دیکھئے 'سُنّیوں اور شیعوں کے مابین یہ تفریق ہے کہ جب بھی کوئی سُنّی بچیوں کا مدرسہ بنائے گا تو اس نام "مدرسۃ العائشہ للبنات" رکھے گا' جبکہ شیعہ حضرت فاطمہؓ کے نام پر مدرسہ بنائے گا' لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو صدیقۃ الکبریٰ ہیں' ان کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جس طرح صدیق اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح الصدیقۃ الکبریٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت مریم کے بارے میں قرآن حکیم میں "صدیقہ" کا لفظ آیا ہے ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾۔ اس امت کی صدیقۃ الکبریٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

اپنا ایک احساس بیان کر رہا ہوں جو میں نے پہلے کبھی پبلک پلیٹ فارم سے بیان نہیں کیا کہ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں حضور ﷺ کے لئے صرف بیوی کی وفاداری' وفاشعاری اور محبت ہی نہیں تھی' والدہ کی شفقت بھی تھی۔ حضور ﷺ بہت کم عمری ہی میں والد اور والدہ کی شفقت اور محبت سے محروم ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضورؐ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔ نکاح کے وقت حضورؐ پچیس سال کے تھے جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی تھیں۔ میری نانی میرے بڑے ماموں سے صرف تیرہ سال بڑی تھیں' یعنی تیرہ برس کی عمر میں میری نانی کے ہاں پہلی ولادت ہو گئی تھی۔ جبکہ عرب کا معاملہ تو مزید گرم ماحول کا تھا۔ تو کیا پندرہ برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی تھی؟ اگر ہوتی تو کیا وہ حضور ﷺ کے ہم عمر نہ ہوتے؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ مزید بیان کرتا چلوں۔ آغازِ وحی کے بعد جبکہ حضور ﷺ کو عالمِ بشریت اور عالمِ ملکیت کے درمیان اتصال کا نیا تجربہ ہوا تھا اور جس کی وجہ سے آپؐ پر خوف کی سی کیفیت تھی اور ایک تشویش کا سا انداز تھا تو ایک روز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ یا بدروح جو بھی ہے' آپؐ کے پاس آئے تو مجھے بتایئے گا۔ حضرت جبرائیلؑ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ آ گئے ہیں۔ اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بال کھول لئے اور حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور پوچھا کہ کیا اب بھی وہ نظر آ رہا ہے؟ آپؐ نے فرمایا : نہیں! اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا یقیناً یہ بدروح نہیں ہے' فرشتہ ہے' جس نے حیا کی ہے' اگر کوئی بدروح ہوتی تو وہ

لذت لیتی اور غائب نہ ہوتی۔ اب آپ ان کی عظمت فکر' سوچ اور شعور کی بلندی کا اندازہ کیجئے۔

بہرحال سال ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال ابو طالب بھی انتقال فرما گئے۔ اس طرح قبائلی زندگی میں حضورؐ کو جو ایک تحفظ حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اوس' خزرج اور مہاجرین کے درمیان پہلا معاہدہ کرایا تھا تو اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ اگر کوئی ایک مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے گا تو وہ سب کی طرف سے شمار ہو گی۔ یہی معاملہ قبائل کا ہوتا تھا کہ اگر کوئی ایک شخص کسی کو پناہ دے دیتا تھا تو وہ پورے قبیلے کی طرف سے ہوتی تھی۔ اس حوالے سے خاندان بنو ہاشم کی سرداری ابو طالب کے پاس تھی جو کہ آپؐ کو تحفظ دے رہے تھے۔ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن ان کو آپؐ سے طبعی محبت تھی اور اس طبعی محبت کی بنیاد پر انہوں نے حضور ﷺ پر خاندان بنو ہاشم کا سایہ کیا ہوا تھا۔ اب ظاہر بات ہے کہ اگر دوسرے قبیلے اور ان کے سردار حضورؐ کے خلاف کوئی اقدام کرتے تو یہ گویا کہ بنو ہاشم کے خلاف اعلانِ جنگ ہو جاتا اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دس برس تک' کسی کو حضورؐ پر اقدام کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ ابو طالب کے پاس سفارتیں لاتے رہے اور لالچ پیش کیا کہ آپ ان سے کہئے کہ اگر انہیں دولت چاہئے تو ہم سیم و زر کے انبار لگا دیتے ہیں' انہیں کوئی سیادت چاہئے تو انہیں ہم اپنا بادشاہ ماننے کو تیار ہیں' اگرچہ ہمارا مزاج ایسا نہیں ہے کہ ہم کسی کو بادشاہ مانیں' لیکن ان کو مان لیں گے' اور اگر کہیں شادی کرنا چاہیں تو اشارہ کر دیں' قریش کے جس بڑے سے بڑے گھرانے میں کہیں گے شادی کر دیں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ چچا جان! چاہے یہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنی اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ دعوت توحید سے باز آ جائیں' ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔

جب جناب ابو طالب بستر مرگ پر تھے اس وقت قریش کی جانب سے آخری سفارت آئی اور انہوں نے آخری چیلنج کیا کہ اے ابو طالب! اب بھی اگر تم اپنے بھتیجے کی پشت پناہی سے باز نہیں آتے تو ٹھیک ہے' ہمارا الٹی میٹم ہے کہ میدان میں آ کر مقابلہ کر لو یا اپنے بھتیجے کو روک لو۔ اس پر ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلایا اور کہا: بھتیجے! "مجھ پر اتنا بوجھ نہ

ڈال جو میں برداشت نہ کر سکوں"۔ ظاہر بات ہے کہ اکیلا خاندان بنو ہاشم پورے قبیلہ قریش کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا؟ پھر خود ابو طالب نہایت ضعیف ہو گئے تھے اور تقریباً بسترِ مرگ پر تھے۔ ابو طالب کی اس بات پر حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ دنیا میں اسباب عالم کے اعتبار سے ایک ہی سہارا تھا وہ بھی آج جواب دے رہا ہے۔ تاہم آپؐ نے کہا: چچا جان! اب یا تو یہ بات پوری ہو کر رہے گی یا میں اپنے آپ کو اسی میں ہلاک کر دوں گا' میرے لئے پسپائی (retreat) کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بہرحال عام الحزن کے سال میں ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا اور بنو ہاشم کا سردار ابولہب بن گیا جو خود انتہائی زہریلا دشمن تھا اور جس نے آغازِ دعوت پر ہی حضور ﷺ سے کہہ دیا تھا کہ "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟" یہ وہ بدبخت شخص تھا جس نے اپنے دونوں بیٹوں سے حضورؐ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلوائی۔ آنحضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں کی نسبت ابولہب کے دو بیٹوں کے ساتھ طے تھی۔ اور وہاں تو نسبت کا طے ہو جانا ایک طرح سے نکاح ہی ہوتا تھا۔ ابولہب کے اکسانے پر ان دونوں نے نہایت گستاخانہ اور توہین آمیز انداز میں آ کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم تمہاری دونوں بیٹیوں کو طلاق دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ سارے صدمے جھیلے ہیں۔

یوم طائف۔ حیاتِ طیبہ کا شدید ترین دِن

ابو طالب کی وفات سے چونکہ حضور ﷺ کو حاصل وہ ظاہری تحفظ ختم ہو گیا تھا اور اب اندیشہ تھا کہ قریش دار الندوہ میں جو چاہیں گے فیصلہ کریں گے' لہٰذا آپؐ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ یہ حضور ﷺ کی مکی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے آپؐ کا شعب بنی ہاشم کے اندر گھیراؤ اور مقاطعہ رہا اور کھانے پینے کی چیزیں روکی گئیں۔ اس دوران پورے خاندان بنو ہاشم کو بدترین قسم کی فاقہ کشی جھیلنی پڑی' حالانکہ وہ سب کے سب ایمان تو نہیں لائے تھے' لیکن اس جرم کی پاداش میں کہ بنو ہاشم محمد ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑ رہے' اس پورے خاندان کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا' جس کے نتیجے میں خاندان بنی ہاشم تین سال تک شعب بنی ہاشم (جسے شعب ابی طالب بھی کہتے ہیں) میں محصور رہا۔ ان تین سالوں کے دوران کھانے پینے کی کوئی چیز اُن تک نہیں جانے دی گئی۔ وادی کے دونوں اطراف میں پہرے لگا دیئے گئے' چنانچہ کوئی وہاں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ حکیم بن

حزام جیسا کوئی اللہ کا بندہ جو بنیادی طور پر نیک شخصیت تھی' وہ کہیں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اور دوسری طرف نیچے اتر کر کوئی چیز پہنچا دیتے' کیونکہ وہ حضرت خدیجہؓ کے بہت قریبی عزیز تھے' ورنہ تو وادی کے دونوں سروں پر پہرے تھے۔ وہ وقت بھی آیا کہ بنو ہاشم کے پھول جیسے بچے بلک رہے ہیں اور ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں' سوائے اس کے کہ سوکھے ہوئے چمڑے ابال کر پانی ان کے حلق میں ٹپکایا گیا۔ لیکن حضور ﷺ کے لئے ذاتی طور پر جو سخت ترین مرحلہ آیا وہ یوم طائف تھا جس کی گواہی حضور ﷺ کے اپنے قول میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپؐ پر یومِ اُحد سے بھی کوئی زیادہ سخت دن گزرا؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے ہوش میں یومِ احد کے دوران حضور ﷺ زخمی ہوئے' آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے' خون کا فوارہ چھوٹا' آپؐ پر بے ہوشی طاری ہوئی' آپؐ کے زبان مبارک سے ایک بددعا بھی نکل گئی کہ ((کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا خَضَبُوْا وَجْہَ نَبِیِّھِمْ بِالدَّمِ)) "اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا"۔ پھر یہ کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے جن میں اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' جو آپؐ کے چچازاد' خالہ زاد' دودھ شریک بھائی اور ساتھ میں کھیلے ہوئے ہمجولی بھی تھے۔ ان کی لاش آپؐ کے سامنے آئی تو دیکھا کہ ناک' کان کٹے ہوئے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک سخت ترین دن یومِ احد تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سخت ترین دن یومِ طائف تھا۔

آپؐ مکے سے مایوس ہو کر طائف گئے۔ اور نوٹ کیجئے کہ یہ واحد موقع ہے جہاں نظر آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضورؐ کے ساتھ نہیں ہیں' ورنہ وہ تو سائے کی طرح ساتھ رہنے والی شخصیت تھی۔ اس موقع پر صرف آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے' جو منہ بولے بیٹے بھی قرار دے دیئے گئے تھے۔ مکے سے طائف کے لئے دو راستے ہیں' ایک طریق الجبل کہلاتا ہے اور دوسرا طریق السہل۔ پہاڑی راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ آج بھی آپ وہاں جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کیسے پہاڑوں کو کاٹ کر سڑک بنائی ہو گی۔ آپؐ نے عام راستہ سے گریز کرتے ہوئے دشوار گزار پہاڑی راستہ اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ عام راستے پر تو خطرہ ہو سکتا تھا کہ کہیں حملہ

نہ ہو جائے۔ غالباً' دار الندوہ میں حضورؐ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ طائف جا کر آپ ﷺ نے وہاں کے تین سرداروں کے سامنے اس امید پر اپنی دعوت پیش کی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دعوت قبول کر لے اور ایمان لے آئے تو میں یہاں منتقل ہو جاؤں اور یہ میرا دار الہجرت بن جائے۔ لیکن حکمتِ خداوندی اور مشیتِ الٰہی میں یہ شرف یثرب کے لئے طے تھا' طائف کے مقدر میں نہ تھا۔ لیکن حضور ﷺ اپنی سوچ بچار کے حوالے سے طائف پہنچے۔ تینوں سرداروں نے کلیجے سے پار ہونے والے جواب دیئے۔ ایک نے کہا یہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤ' اگر تم واقعی رسول ہو اور میں نے کوئی توہین کر دی تو میں مارا جاؤں گا' اور اگر تم جھوٹے ہو تو جھوٹے کو میں منہ نہیں لگانا چاہتا۔ دوسرے نے کہا کہ مکّہ اور طائف میں تمہارے سوا اللہ کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا تھا؟ قرآن حکیم میں ان کے یہ دل آزار الفاظ نقل کئے گئے ہیں ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (الزخرف) یعنی ان دو بستیوں میں کوئی شخص بڑی عظمت والا ہوتا' اس کی جائیداد کے میں بھی ہوتی اور طائف میں بھی' ایسا شخص اللہ کو نبی بنانے کے لئے نہیں ملا تھا؟ تم جیسا مفلوک الحال یتیم شخص جس کا اپنا کوئی ذاتی سرمایہ ہی نہیں تھا' کوئی سرمایہ تھا بھی تو وہ بیوی کا تھا' یہ شخص اللہ نے چنا ہے؟ بہرحال آپؐ ان سے مایوس ہو کر واپس روانہ ہونے لگے تو ان بدبختوں نے گلیوں کے آوارہ چھوکروں کو اشارہ کر دیا کہ ذرا ان کی خبر لو۔ چنانچہ انہوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے اس پتھراؤ کے آگے ڈھال بن جانے کی پوری کوشش کی' لیکن زید بن حارثہؓ اگر سامنے سے آ کر حضورؐ کے آگے ڈھال بنتے تو وہ پیچھے سے پتھراؤ شروع کر دیتے اور اگر وہ پیچھے جاتے تو سامنے سے پتھراؤ شروع کر دیتے۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈی کو نشانہ بنایا گیا۔ آپ ﷺ کی پنڈلیاں بھی زخموں سے چور ہو گئیں۔ خون بہہ بہہ کر نعلین کے اندر جا کر جم گیا۔ وہاں سے آپؐ نکلے' ایک جگہ ٹھہرے تو حضور ﷺ کی زبان مبارک پر فریاد آ گئی :

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ' يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ' اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ! اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ! اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ اَمْرِيْ! اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ اَوْسَعُ لِيْ!

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ اَوْ تَحُلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ ' لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!

"اے اللہ! میں تیری ہی جناب میں اپنی بے بسی' وسائل وذرائع کی کمی اور لوگوں میں میری جو رسوائی ہو رہی ہے' اس کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی! اے پروردگار! تو مجھے کن کے سپرد کر رہا ہے؟ وہ دور دراز کے لوگ جن کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں' کہ وہ مجھے تختۂ مشق بنالیں! یا تو نے میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دے دیا؟ —— پھر بھی اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو مجھے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہے' لیکن کچھ بھی ہو' تیری عنایات تو مجھ پر بے پایاں ہیں۔

میں تیرے چہرۂ انور کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تمام اندھیارے دور ہو جائیں اور جس کے پرتو سے دنیا اور آخرت کا معاملہ درست ہو جائے' اس سے کہ مجھ پر تیرا غصہ بھڑکے یا تیرا غضب ٹوٹے' منانا ہے' اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے۔ نہ قابو ہے نہ زور ہے' مگر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے"۔

گویا پہلے آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی' اس کے بعد آپ ﷺ نے مقامِ عبدیت والی بات کہی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" والی دو نسبتیں حاصل ہیں' مقام عبدیت کا تقاضا کچھ اور ہے' یعنی سرِ تسلیم خم کر دینا کہ کوئی شکوہ شکایت زبان پر نہ آئے۔ چنانچہ عرض کیا : ((اِنْ لَّمْ یَكُ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ)) "اے اللہ! (اس سب کے باوجود) اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں!" گویا ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!

اندیشہ ہے کہ کہیں تو ناراض نہ ہو گیا ہو۔ جیسے ابتداء میں وحی کی آمد کا سلسلہ رُک گیا تھا تو آپؐ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو گیا ہو کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ پھر یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ ﴾

اسی کو فارسی میں کہتے ہیں "عشق است ہزار بدگمانی" یعنی جہاں عشق و محبت کا معاملہ ہوتا ہے وہاں بڑی جلدی بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے کہ کہیں محبوب کسی وجہ سے ناراض تو نہیں ہو گیا' اسے میری کوئی بات ناگوار تو نہیں گزر گئی۔ بہرحال خواہ کچھ بھی ہو' اس سب کے باوجود اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے' تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔

سفر طائف ذاتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ پر ابتلاء و آزمائش' امتحان اور سختی کا نقطۂ عروج ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی تصنیف "اَلنَّبِیُّ الْخَاتِم" میں اسے سیرتِ طیبہ کا ایک اہم موڑ (Turning Point) قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو خصوصی حفاظت اور protection حاصل ہوئی۔ لیکن طائف سے فوری طور پر واپسی کے بعد عالمِ اسباب میں حضور ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ آپؐ مکے میں داخل نہیں ہو سکتے تھے' وہاں آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا' داخل ہوں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور جب دارالندوہ میں فیصلہ ہو چکا ہو تو ایسا اقدام کرنے والے پر کوئی جرم و الزام نہیں' اس پر کوئی مقدمہ نہیں بنے گا۔ حضورؐ طائف گئے تھے اور وہاں سے خالی ہاتھ لوٹے تھے۔ نوٹ کیجئے میں یہ نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضورؐ کی عالمِ اسباب میں ساری جدّوجُہد قدم بقدم زمین پر چل کر ہوئی۔ چنانچہ عالمِ اسباب کو استعمال کرتے ہوئے آپؐ نے ایک مشرک اور کافر کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی امان میں لے لو تو میں مکے میں آ جاؤں۔ ابھی میں بتا چکا ہوں کہ قبائلی زندگی کا یہ اصول تھا کہ اگر ایک شخص نے امان دے دی تو سب کی طرف سے امان ہو جائے گی۔ لیکن اس کافر نے انکار کر دیا۔ پھر آپؐ نے زید بن حارثہ کو ایک دوسرے شخص کے پاس بھیجا' لیکن اس نے بھی انکار کر دیا' تیسرا شخص مطعم بن عدی شریف النفس تھا۔ اس کے پاس آپ ﷺ کا پیغام پہنچا تو اس نے کہا آپ میری امان میں ہیں' آ جائیں۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ یوں نہیں' آؤ اور خود لے کر جاؤ۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ کہ حضور ﷺ ایسے ہی مکّے میں داخل ہو جاتے اور کچھ لوگ آپ ﷺ پر فوری طور پر حملہ آور ہو جاتے تو وہ بعد میں کہہ سکتے تھے کہ ہمیں کیا علم کہ انہیں مطعم بن عدی نے امان دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس درجے دنیوی اسباب اختیار کئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ عالمِ اسباب ہے اور یہاں جو جدوجہد کرنی ہے اس عالمِ اسباب کے

اندر رہتے ہوئے اور ان اسباب کو بروئے کار لاکر کرنی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک مشرک و کافر کی امان لینا قبول کی۔ اور پھر مطعم بن عدی ہتھیار سجا کر اپنے چھ بیٹوں کو لایا اور یہ کہتا ہوا آیا کہ میں نے محمدؐ (ﷺ) کو امان دی اور آج سے محمدؐ (ﷺ) میری امان میں ہیں۔ تب حضورؐ مکّے میں داخل ہوئے۔ حضور ﷺ کو اس کے احسان کا اتنا پاس تھا کہ غزوۂ بدر میں جو ستر قیدی حضورؐ کی قید میں آئے ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان کی سفارش کرتا تو میں ان ستر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔ لیکن مطعم بن عدی کا اس دوران انتقال ہو چکا تھا اور وہ اسی حالت کفرو شرک میں رہا۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کے پہلے دس برس کی جھلک دکھائی ہے۔ حضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا عرصہ بیس برس ہے۔ عرب میں انقلاب کی تکمیل ۸ ہجری میں ہوئی جب مکّہ اور طائف فتح ہو گیا اور غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کو فتح حاصل ہوئی۔ اس طرح عرب میں انقلاب برپا ہو گیا۔ لہٰذا مکے کے بارہ برس اور مدینے کے آٹھ برس شامل کر لیجئے تو یہ بیس برس ہوئے۔ اس عرصے کو دو حصوں میں تقسیم کریں' دس سال اِدھر اور دس اُدھر۔ پہلے دس سال کا حاصل میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ کل ۱۲۵ یا ۱۵۰ افراد ایمان لائے اور طائف سے واپسی پر آپ ﷺ کی یہ حیثیت نہیں تھی کہ آپؐ مکے میں اپنے بل پر قیام کر سکتے۔ لہٰذا آپؐ ایک کافر و مشرک کی امان لے کر مکہ میں دوبارہ داخل ہوئے۔ یہ دس برس کی محنت شاقہ ہے۔ لیکن اگلے دس برس میں اسلامی انقلاب نہایت تیزی کے ساتھ مکمل ہوا ہے۔ (جاری ہے)

عربی گرامر جاننے والوں کے لئے

مطالعہ قرآن حکیم کا ایک منفرد خط و کتابت کورس شروع کیا گیا ہے۔ پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات کے لئے

البلاغ فاونڈیشن

سٹھ۔الف۔ایف سی سی گلبرگ IV' لاہور

شہادتِ حق کے عملی تقاضے

محمد رشید عمر، فیصل آباد

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمّتِ وسط بنایا تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں"۔

سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۚ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۚ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج : ۷۸)

"جہاد کرو اللہ کی خاطر جیسے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تم کو پسند کر لیا ہے اور دین کے بارے میں تم پر کچھ مشکل نہیں رکھی۔ (یہ) دین تمہارے باپ ابراہیم کا (ہے) اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے سے اور اس قرآن میں تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم گواہ (شہادت دینے والے) ہو جاؤ لوگوں پر۔ سو نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ (کی رسی) سے چمٹے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے۔ سو کیا خوب آقا ہے اور کیا خوب مددگار ہے"۔

قرآن حکیم کے ان دو عظیم مقامات پر اُمّتِ مسلمہ کے فرض منصبی کا اعلان کیا گیا ہے ـــــ اور یہ فرضِ منصبی ہے "شہادت علی النّاس" ـــــ لوگوں کے خلاف یا لوگوں پر

گواہی کا فرض۔ یعنی ایک طرف تمام بنی نوع انسان ہیں اور دوسری طرف امت مسلمہ ہے جو پکار پکار کر اپنے قول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے بھی لوگوں کے سامنے ایک شہادت پیش کر رہی ہے۔ یہ شہادت کس بات کی ہے؟ کون لوگ اس شہادت کے منصب کے اہل ہیں؟ ہم یہ ذمہ داری کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ آیئے دیکھیں قرآن حکیم، سیرت النبی ﷺ اور بزرگانِ دین کی زندگیوں سے ہمیں اس سلسلے میں کیا راہنمائی ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ ﴾ (آل عمران : ۱۸)

"اللہ نے خود گواہی دی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے، اور (یہی شہادت) فرشتوں اور اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ عدل پر قائم ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ مطلوب للشہادۃ اور وہ ہستیاں جو اس گواہی کے منصب کی اہل ہیں، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اس بات کی گواہی مطلوب ہے کہ بندگی کے لائق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ کائنات میں عدل کا قیام اسی کی طرف سے ہے۔ بندوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کی تعمیر عدل پر کریں۔ یہی وہ حق ہے جس کے افشائے نور سے کفر سما جاتا ہے اور عالم شرک کا پتہ اس بھاری بوجھ سے پانی ہوا جاتا ہے۔

اس بات کی گواہی اللہ کی ذات خود دے رہی ہے۔ فرشتے جنہیں معرفتِ حقیقی حاصل ہے وہ بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور وہ اہلِ علم جو خالق و مخلوق کے اسرار و رموز کا علم رکھتے ہیں وہ بھی اللہ کے اس مقامِ رفیع کے گواہ ہیں۔ اہلِ علم کے سرخیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن پاک میں ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۴۵، ۴۶)

"اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا خود اس کے حکم سے اور چمکتا سورج (بنا کر بھیجا ہے)"۔

آپؐ نے اس منصب پر فائز ہوتے ہی اپنے خاندان اور قبیلے کو جمع کیا اور ان کے سامنے اس طرح گویا ہوئے :

"ساری حمد اللہ کے لئے ہے' میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں' اس پر ایمان رکھتا ہوں' اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں"۔

پھر آپؐ نے فرمایا :

"راہنما اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام انسانوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا تم لوگ اس طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے سو جاتے ہو۔ اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کیلئے جنت ہے یا ہمیشہ کیلئے جہنم"۔

اور جب آیت ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اہلِ قریش کو آواز لگانا شروع کی : "اے بنی فہر! اے بنی عدی!" یہاں تک کہ سب اکٹھے ہو گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "تم لوگ یہ بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟" لوگوں نے کہا : ہاں' ہمیں آپ سے سچ ہی کا تجربہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

اس واقعہ کا ایک اور ٹکڑا امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں آپؐ نے کہا "اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ' اے بنی کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ' اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسبت و قرابت کے تعلقات ہیں جنہیں میں باقی اور تر و تازہ رکھنے کی کوشش کروں گا"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی جو لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے وہ آپؐ کے دشمن بن گئے۔ ایذا و تکالیف کے کئی ڈھنگ آزمائے گئے۔ چنانچہ تمسخر و استہزاء بھی ہوا اور دنیاوی مال اور منصب کی پیشکش بھی کی گئی۔ جس بات کی آپؐ شہادت دے رہے تھے

قریشِ مکّہ اس کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ انہوں نے آپؐ کے چچا ابو طالب پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں' ورنہ وہ ایسی جنگ چھیڑ دیں گے جو ایک فریق کا صفایا کر کے رہے گی۔ ابو طالب پر اس کا بہت اثر ہوا۔ آپؐ کو بلا کر کہنے لگے : "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو محسوس ہوا کہ اب آپؐ کے چچا بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے' کیونکہ وہ آپؐ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں' اس لئے فرمایا "چچا جان خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اس کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں' تو نہیں چھوڑ سکتا"۔

منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد یہ تھا آپؐ کا طرز عمل کہ کوئی دھمکی' کوئی دباؤ اور کسی قسم کی حالات کی ناسازگاری آپؐ کو حق بیان کرنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ وہ حضرات جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا' ان کا طرز عمل کیا تھا' ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عمرؓ نے جب حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر مشرکین کے سامنے اس کی شہادت کس طرح پیش کی؟ بقولِ ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) ان کی اپنی زبانی سنئے :

پھر جب میں مسلمان ہوا تو میں نے کہا : "اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں' خواہ زندہ رہیں یا مر جائیں" آپؐ نے فرمایا "کیوں نہیں' اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم لوگ حق پر ہو' خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو"۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ تب میں نے کہا "پھر چھپنا کیسا؟ اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے' ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہؓ تھے اور ایک میں مَیں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا سا غبار اٹھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے"۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ "قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا"۔

اسی طرح ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمرؓ کا بیان روایت کیا ہے کہ "جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ مکہ کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے۔ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا : اَھْلاً وَسَھْلاً! کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا : "تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں"۔

حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا' وہ انہیں مکہ کے پہاڑوں میں گھماتے پھراتے تھے' یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا تھا۔ خود امیہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا اور کھانا پانی بھی نہ دیتا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا کہ جب دوپہر کو گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کی سنگلاخ زمین پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا' پھر کہتا : "خدا کی قسم تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مرجائے یا محمدؐ کے ساتھ کفر کرے۔" حضرت بلالؓ اس حال میں بھی فرماتے : احدٌ احدٌ ۔ احدٌ احدٌ

حضرت ابو ذر غفاریؓ ایمان لائے تو حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا : "اے ابو ذر! اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو اور اپنے علاقہ میں واپس چلے جاؤ' جب ہمارے غلبہ کی خبر ملے تو آجانا"۔ وہ کہتے ہیں : میں نے کہا "اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' میں تو ان کے درمیان ببانگ دھل اس کا اعلان کروں گا"۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا تو قریش موجود تھے۔ میں نے کہا : قریش کے لوگو! اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ لوگوں نے کہا : اٹھو' اس بے دین کی خبر لو۔ لوگ اُٹھ کر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے اس قدر مارا گیا کہ قریب تھا کہ میں مرجاتا۔ حضرت عباسؓ نے مجھے آکر بچایا۔

ایمان لانے کے بعد چند صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے' جس سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱) اب صرف اللہ کی غلامی اختیار کی جائے گی' کوئی دوسرا آقا اور مالک نہیں ہے۔ اسی کا حکم مانا جائے گا' کسی طاغوت کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ اس کام میں جان بھی جاتی

ہے تو کوئی پروا نہیں۔

۲) یہ کام رسول اللہ ﷺ کی راہبری میں کرنا ہوگا۔ انہی کی اتباع کرنا ہوگی۔ ہم اپنی جان اور مال کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ ؐ جس طرح چاہیں جب چاہیں یہ جان اور مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ہم اس معاملہ میں اپنا اختیار نہیں رکھیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طرز عمل سے دونوں باتوں کو ثابت کر دیا۔ ان کی محنت کے نتیجہ میں اللہ کی کبریائی کا وہ نظام قائم ہوا جس میں معاشرہ کی ہر سطح پر عدل قائم ہوا۔ تاریخ انسانی کا وہ درخشاں دور ہے، جس کا زمانہ گواہ ہے۔ اہل علم حضرات (اُولُوا العِلم) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اُمتِ محمدیہ کے اہلِ ایمان آتے ہیں۔ چنانچہ ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ کے بعد ہماری ذمہ داری ہے کہ حق کی گواہی کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ (النّساء : ۱۳۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے ساتھ اللہ کیلئے گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ اس کی زد تمہارے اپنے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (المائدۃ : ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن کر۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر نہ ابھار دے۔ عدل کرو' یہ خدا ترسی کے قریب تر ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

باطل کے لئے حق کا پیغام موت ہے۔ وہ کبھی حق کو اپنے سامنے پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تمام فکری و نظری صلاحیتوں اور تمام وسائل قوت کے ساتھ حق کو مٹانے یا اس کو بے قیمت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سورۃ المومن میں اس طرز عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ ﴾ (المؤمن : ۵)

"ہر امت نے اپنے پیغمبر کے لئے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لیں (اس پر غالب آجائیں) اور باطل (جھوٹے دلائل اور موقف) سے جھگڑا کیا تاکہ وہ حق کو ڈگمگا دیں۔ پس میں نے ان کو پکڑ لیا (گرفت میں لے لیا)۔ پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔"

آج اہل حق کو حق کی سربلندی کے لئے جو شہادت کے مراحل درپیش ہوں گے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) قولی شہادت

پروپیگنڈے کے میدان میں باطل کی یہ کوشش ہے کہ وہ ہدایت خداوندی کے مسلمہ حقائق کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنے جھوٹے نظریات کو سچا ثابت کرے' انسانی نظر و فکر میں الحاد پیدا کر دے' معاشرتی تباہی کے ایجنڈے پر کامیابی کی طمع کاری کرے' انسان سے انسانیت کا لباس اتار کر اپنے گرو شیطان کی پیروی کرتے ہوئے اسے عریاں کر دے' بے حیائی اور فحاشی کے نمائندوں کو نوجوانوں کا ہیرو بنا کر پیش کرے' غاصبوں اور لٹیروں کی قیادت کو قومی رہبر اور نجات دہندہ بنا کر پیش کرے اور تفرقے باز دینی راہنماؤں کی قیادتوں کو مستحکم کرے اور سب سے بڑی بات کہ حق کو واضح نہ ہونے دے۔

ان حالات میں قولی شہادت کا تقاضا ہے کہ عقل و دانش کو مسخر کرنے والے دلائل جو صرف ہدایت خداوندی سے ممکن ہیں، کھول کھول کر بیان کئے جائیں، نظر و فکر کی تطہیر کی جائے، معاشرتی تعمیر و ترقی کے منصوبے سمجھائے جائیں، تباہی کے راستوں کی نشاندہی کی جائے، اعلیٰ انسانی اقدار کو اجاگر کیا جائے، غاصبوں اور لٹیروں کا گھناؤنا چہرہ بے نقاب کرتے ہوئے ان کے مذموم مقاصد سے قوم کو آگاہ کیا جائے، بے حیائی اور فحاشی کو نوجوانوں کے ذہنوں میں قابل نفرت بنا دیا جائے، تفرقے بازوں کے چنگل سے لوگوں کو آزاد کرا کے صحیح نصب العین دیا جائے اور سب سے بڑی بات یہ کہ قوم کو اپنی شناخت بتائی جائے اور نظریاتی بنیادوں پر مستحکم کھڑا کیا جائے۔

(۲) عملی شہادت

باطل قوتیں حق کو دبانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ اس کے لئے ایسا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جاتا ہے جس کی مثال مکار شکاری کے جال یا آکٹوپس سے دی جا سکتی ہے جو اپنے شکار کو پوری طرح جکڑ کر بے بس کر دیتا ہے۔ دیہی سطح پر چودھراہٹوں اور نمبرداری کا نظام، شہری محلہ داری سطح پر کونسلرز سسٹم، پھر ایم این اے اور ایم پی اے حضرات اور ان کے ساتھ تھانہ کچہری کا نظام۔ یہ وہ جال ہے جس کے ذریعے باطل پالیسیوں کا نفاذ ہوتا ہے اور عوام کو حکمرانوں کی کاسہ لیسی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہاں دھوکہ، دھونس، تعلقات اور اختیار و اقتدار کا سکہ چلتا ہے۔ امانت و دیانت اور شرافت کا گلہ گھونٹا جاتا ہے۔ مفاد پرست دینی قیادتوں، گدی نشینوں، مجاوروں اور خانقاہوں کے صاحبزادوں کی ان کے ساتھ ملی بھگت ہوتی ہے۔

شہادت حق کے لئے ضروری ہے کہ اہل ایمان اپنے آپ کو جماعتی شکل میں منظم کریں۔ اپنے اندر مساوات، رواداری اور احترام آدمیت کا ماحول پیدا کریں۔ باہمی نزاعات کا فیصلہ حق و انصاف پر ہو۔ رشتہ و پیوند یا کسی کی دشمنی انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ اس معاشرے کے ارکان اللہ کے لئے محبت کرنے والے اور اللہ کے لئے ناراض ہونے والے بنیں۔ یہ لوگ امت کے ثمرات کی تقسیم میں بخل کرنے والے نہ ہوں۔ وہ ایثار و وفا کے پیکر بن کر سامنے آئیں۔ جو معاشرہ ظالم کے جبر کے تحت اور مظلوم کی مجبوری کی دھوپ میں جل رہا ہو اس کے لئے یہ لوگ گھنے درخت کی چھاؤں اور ہوا کا ٹھنڈا

جھوٹا ثابت ہوں' یہاں تک کہ اس جماعت کا پیش کردہ خوب صورت معاشرہ لوگوں کو ایسا نظر آنے لگے جیسے بھوکے کو کھانا اور پیاسے کو ٹھنڈا پانی۔ عدل پر مبنی اس جماعت کا ہر قدم ظالمانہ معاشرے کے لئے بجلی کے کڑکے کی مانند ثابت ہو۔ ان لوگوں کا کردار اور عمل ان کے ماتھے کا جھومر بن جائے۔ عدل و انصاف میں کہیں ان کا مقابلہ نہ ہو۔ ان کا ٹکراؤ صرف اور صرف ظلم سے ہو۔ اس جماعت کے نام کے ساتھ ہی لوگوں کے ذہنوں میں عدل کی ترازو قائم ہو جائے۔

(۳) جسم و جان سے شہادت

"اَلْحَقُّ مُرٌّ" ایک حقیقت ہے۔ باطل کے لئے حق کے اظہار سے کڑوی گولی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جب جماعتی لوگوں کے حق پر مبنی دلائل اور ان کا کردار و عمل لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنا شروع کر دیتا ہے تو پھر حاملین حق کو بزور قوت روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہیں اجتماعات پر پابندی لگتی ہے' کہیں افکار و نظریات کی تشہیر و تبلیغ کو جرم شمار کیا جاتا ہے۔ حق پرستی کو بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ پھر ریاستی قوت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے' ڈرایا دھمکایا جاتا ہے' پابند سلاسل اور تشدد کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ جو لوگ ان حالات میں جھکتے نہیں' بکتے نہیں' بلکہ باطل کا ہر وار سینے پر سہتے ہیں اور جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ان کا چہرہ تبسم کناں رہتا ہے' یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ ﴾ (آل عمران : ۱۴۰)

"اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیں اور تم میں سے بعض کو شہید بنالیں۔"

اور پھر یہ نمونہ سامنے آتا ہے:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۲۳)

"مؤمنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا

اس میں سچے اترے۔ پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور ان میں بعض اپنی باری کے منتظر ہیں۔ انہوں نے (اپنے عہد میں) ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔"

ہماری تاریخ ایسے شہداء کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امام اعظم امام ابو حنیفہؒ' امام احمد بن حنبلؒ' امام مالکؒ' امام ابن تیمیہؒ شیخ احمد سرہندیؒ' شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم نے اپنے اپنے دور میں شہادت کی ایک تاریخ رقم کی ہے۔

امّتِ مسلمہ کو اللہ کی طرف سے امت وسط کا خطاب اور مقام اجتبائیت اس فریضہ شہادت علی الناس کی وجہ سے دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی ہم پر فرض کر دی گئی ہے۔ قیامت کے دن انبیاء و رُسل کی موجودگی میں جواب دہی ہو گی۔ لہٰذا اس دن سرخرو ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس زندگی میں اس فریضہ کو ادا کرنے کا حق ادا کریں۔ چنانچہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم

① ایمان باللہ اور توکّل علی اللہ میں جلا پیدا کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت' اس کی آیات پر غور و فکر اور مراقبہ' اور سنّت و سیرتِ نبویؐ سے گہرا شغف پیدا کریں۔

② انقلابی فکر کو تازہ رکھنے کے لئے متعلقہ دروس کی باقاعدگی سے سماعت جاری رہے' مجالس مذاکرہ قائم کریں' شکوک اور ابہام دور کر کے تصوراتِ دین میں نکھار پیدا کریں۔ توسیع دعوت کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

③ جس قیادت پر اس کام کے لئے ہم نے اعتماد کیا ہے' ان کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بنائیں۔ سمع و طاعت کیلئے بیعت کے تقاضے اپنے سامنے رکھیں اور انقلابی اہداف کے حصول کیلئے تن من دھن لگانے کے لئے ہر وقت منتظر اور تیار رہیں۔

نوٹ : سیرت کے واقعات کے لئے "الرحیق المختوم" سے مدد لی گئی ہے۔

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ : شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔کے [redacted]اؤن لاہور

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیت اور اسباب (۴)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد
ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

○

(ا) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

(۱۶) نماز میں خشوع کے فضائل معلوم کرنا :

نماز میں خشوع کے بے شمار فائدے ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ کئے دیتے ہیں :

(ا) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((مَا مِنِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ)) (۱۸)

"جس مسلمان کو فرض نماز کا وقت مل جائے، پھر وہ اچھی طرح بنا سنوار کر وضو کرے، خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، عمدہ طریقے سے رکوع کرے تو اس طرح اس کے سارے سابقہ چھوٹے گناہ معاف ہو جائیں گے، بشرطیکہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے، اور تا قیامت یہ فضیلت باقی رہے گی۔"

نماز کا اجر و ثواب خشوع کی نسبت کے مطابق لکھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((إِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ مَا يُكْتَبُ لَهُ مِنْهَا إِلَّا عُشْرُهَا، تُسْعُهَا، ثُمُنُهَا، سُبُعُهَا، سُدُسُهَا، خُمُسُهَا، رُبُعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا)) (۱۹)

"بے شک بندہ نماز پڑھتا ہے' مگر ہر آدمی کا اجر مختلف لکھا جاتا ہے' دسواں حصہ' نواں حصہ' آٹھواں حصہ' ساتواں حصہ' چھٹا حصہ' پانچواں حصہ' چوتھا حصہ' تہائی حصہ یا آدھا حصہ۔"

اس لئے کہ اس کو اتنی نماز کا ہی اجر ملے گا جتنی اس نے سوچ سمجھ کر پڑھی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ :

((لَيْسَ لَكَ مِنْ صَلَاتِكَ إِلَّا مَا عَقَلْتَ مِنْهَا)) (۲۰)

"تجھ کو نماز سے اتنا ہی اجر ملے گا جتنی تم نے سوچ سمجھ کر پڑھی ہے۔"

جب نماز مکمل اور خشوع کے ساتھ پڑھی جائے تب ہی وہ گناہوں سے بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّيْ أُتِيَ بِذُنُوبِهِ كُلِّهَا' فَوُضِعَتْ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقَيْهِ' فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ)) (۲۱)

"بندہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے سارے گناہ لا کر اس کے سر اور دونوں کندھوں کے اوپر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ پھر جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے تو گناہ اس سے گر جاتے ہیں۔"

امام المناوی رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں : "مراد یہ ہے کہ جب بھی وہ نماز کا کوئی رکن ادا کرلیتا ہے گناہوں کا کچھ حصہ اس کے ذمے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب وہ نماز کو مکمل کرلیتا ہے تو سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔" یہ فائدہ اس نماز کا ہے جس کی تمام شرطیں پوری کی گئی ہوں' ارکان و واجبات پر عمل کیا گیا ہو اور خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو۔ یہ سارا مفہوم اسلوبِ حدیث سے واضح ہے کیونکہ حدیث میں کہا گیا ہے : "جب بندہ کھڑا ہوتا ہے۔" اس عبارت میں اشارہ موجود ہے کہ غلام اللہ رب العالمین' جو کہ سارے بادشاہوں کا شہنشاہ ہے' کے سامنے ذلت و عاجزی کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ (۲۲)

خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے والا جب فارغ ہوتا ہے تو اپنی روح کو ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے جیسے بہت سارا بوجھ اس سے اتار کر رکھ دیا گیا ہے۔ اپنے آپ کو خوش' چست اور آرام میں محسوس کرتا ہے' حتیٰ کہ اس کی آرزو ہوتی ہے کہ

نماز ہی پڑھتا رہے۔ اس لئے کہ نماز اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک' روح کا چین اور دل کا سکون ہوتی ہے اور دنیا کی مشکلات سے بچنے کے لئے آرام دہ ٹھکانہ۔ چنانچہ مؤمن دنیا میں اپنے آپ کو مستقل قید اور تنگی میں محسوس کرتا ہے اور جونہی نماز شروع کرتا ہے اپنے آپ کو سکون و راحت میں محسوس کرتا ہے نہ کہ نماز سے جان چھڑاتا ہے۔

نماز سے محبت کرنے والوں کا قول ہے : "ہم نماز ادا کرتے ہیں تاکہ نماز کے ذریعے آرام محسوس کریں" اور یہی بات اہل ایمان کے امام' پیشوا اور نبی ﷺ نے فرمائی ہے :((یَابِلَالُ اَرِحْنَا بِالصَّلَاۃِ)) (۲۳) "اے بلال نماز کے ذریعے ہمارے لئے راحت کا سامان کرو۔" یہ نہیں فرمایا : "نماز سے ہماری جان چھڑاؤ"۔

نیز فرمایا((جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلَاۃِ)) (۲۴) "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" جس بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہو وہ اس کے بغیر کس طرح چین و قرار پا سکتا ہے اور اسے چھوڑ کر اسے کس طرح صبر آسکتا ہے؟ (۲۵)

⑰ دورانِ نماز دعاؤں کا اہتمام کرنا :

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے درخواست پیش کرنے' اس کے حضور عاجزی وانکساری کا اظہار کرنے' اس سے مانگنے اور اصرار کے ساتھ مانگنے سے بندے اور رب کے درمیان تعلق بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے۔ اور دعا ہی عبادت ہے۔ اسی لئے بندے کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾ (الاعراف : ۵۵) "اور اپنے رب سے دعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔" نیز آپ ﷺ نے فرمایا :((مَنْ لَمْ یَسْاَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ)) (۲۶) "جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

دورانِ نماز دعا کرنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ درج ذیل مقامات پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی ہے۔ سجدہ' دو سجدوں کے درمیان' تشہد کے بعد۔ ان میں سے عظیم ترین مقام سجدے کے وقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ فَاَکْثِرُوا الدُّعَاءَ)) (۲۷)

"بندہ حالت سجدہ میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ چنانچہ (سجدے میں) کثرت سے دعا کیا کرو۔"

نیز فرمایا :

((اَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَاءِ ' فَقَمِنٌ اَنْ یُّسْتَجَابَ لَکُمْ)) (۲۸)

"سجدوں میں خوب دُعا کیا کرو کیونکہ قبولیت دُعا کا یہی مناسب موقعہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سے سجدے میں مندرجہ ذیل دعائیں ثابت ہیں :

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَاَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِیَتَهُ وَسِرَّهُ" (۲۹)

"اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے' چھوٹے' بڑے' پہلے والے' بعد والے' جو سب کے سامنے کیے یا چھپ کر کیے۔"

دوسری دعا :

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ" (۳۰)

"اے اللہ! میرے گناہ بخش دے جو میں نے چھپ کر کیے ہیں یا لوگوں کی سامنے کیے ہیں۔"

سجدے اور دو سجدوں کے درمیان کی باقی دعائیں سبب نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہیں۔

تشہد پڑھنے کے بعد جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ یَقُوْلُ : اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ)) (۳۱)

"جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو چار باتوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ کہے : (اے اللہ!) میں جہنم کے عذاب' قبر کے عذاب' زندگی اور موت کی آزمائش' اور مسیح دجال کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ یہ دُعا بھی پڑھا کرتے تھے :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِ مَا لَمْ اَعْمَلْ" (۳۲)

"اے اللہ جو کام میں نے کیے ہیں ان کے شر سے محفوظ فرما اور جو کام نہیں کیے

ان کے شر سے بھی محفوظ کر دے۔"

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو یہ دُعا سکھائی :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا' وَلاَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (۳۳)

"اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کئے ہیں اور گناہ صرف آپ ہی بخش سکتے ہیں' پس اے اللہ! میری بخشش فرما دیجئے' اور یہ بخشش آپ کی طرف سے ہو' اور مجھ پر رحم فرما' بلاشبہ آپ کی ذات ہی بخشنے والی اور رحم فرمانے والی ہے۔"

آپ ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی تشہد کے اخیر میں یہ دُعا پڑھ رہا تھا :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ یَا اَللّٰہُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (۳۴)

"اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ــــ اے اللہ! آپ کی ذات الاحد (تنہا) الصمد (بے نیاز) ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ ہی کوئی آپ کا ہم پلہ ہو سکتا ہے ــــ یہ کہ آپ میرے گناہوں کی بخشش فرما دیں' بے شک آپ ہی بخشنے والے' رحم فرمانے والے ہیں"۔

یہ دُعا سن کر آپ ؐ نے فرمایا : "اس کی بخشش ہو گئی' اس کی بخشش ہو گئی' اس کی بخشش ہو گئی۔"

ایک دوسرے آدمی کو آپ ﷺ نے تشہد میں یہ دُعا پڑھتے سنا :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اَنْتَ وَحْدَكَ' لاَ شَرِیْكَ لَكَ الْمَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَاالْجَلاَلِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ" (۳۵)

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' یقیناً ساری حمد و ثناء تیری ذات کے لئے

ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، نعمتیں عطا کرنے والا، زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا اے ذوالجلال والاکرام ذات! اے حی وقیوم ذات! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور آگ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

یہ دُعا سن کر آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا! "کیا تم جانتے ہو کہ اس آدمی نے کس کا واسطہ دیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے واسطے سے دُعا کی ہے اور یہ نام اس قدر عظمت والا ہے کہ جب اس کا واسطہ دے کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر اس نام کے واسطے سے مانگا جائے تو عطا کر دیتا ہے۔"

تشہد اور سلام کے درمیان میں آپ ﷺ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ" (۳۶)

"اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، جو میں نے پہلے کئے ہیں اور جو بعد میں کئے ہیں، جو تنہائی میں کئے ہیں یا لوگوں کے سامنے کئے ہیں اور جو مجھ سے بلا ارادہ ہو گئے ہیں، اور میرے گناہوں کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کی صفت "المقدم" اور "المؤخر" ہے اور آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔"

اس طرح کی دعائیں یاد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب لوگ تشہد سے فارغ ہو کر امام کے پیچھے خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ اب کیا کریں، وہ یہ دعائیں پڑھ سکتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں اکٹھی کر سکتے ہیں۔

⑱ بعد از نماز اذکارِ مسنونہ کا اہتمام کرنا:

نماز پڑھنے سے جو فائدہ اور برکت حاصل ہوتی ہے اور دل میں جو خشوع پیدا ہوتا ہے، ان اذکار کی برکت سے وہ مستحکم ہو جاتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی پہلی نیکی کی حفاظت کرلے اس کو دوسری نیکی کی توفیق مل جایا کرتی ہے۔ نماز

کے بعد پڑھے جانے والے اذکار پر ذرا غور کریں جو کہ تین دفعہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ" پڑھنے سے شروع ہوتے ہیں۔ گویا کہ نمازی دورانِ نماز پیدا ہونے والی کمی بیشی اور خشوع کی کمی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہا ہے۔ نفل نمازوں کو بھی پابندی سے ادا کرنا چاہیئے۔ یہ فرائض میں واقع ہونے والی کمی اور خشوع میں کوتاہی کی تلافی کر دیتے ہیں۔

اگلی فصل میں اُن اسباب کا بیان ہو گا جن کی وجہ سے خشوع میں کمی و کوتاہی واقع ہوتی ہے۔

حواشی

۱۲) صحیح البخاری' کتاب السھو' باب السھو فی الفرض والتطوع ح ۱۱۷۵' صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب السھو فی الصلاۃ والسجودلہ ح ۳۸۹

۱۳) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب ۲۶ ح ۳۶۲ و سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب اذا شکَّ فی الحدث ح ۱۷۷

۱۴) المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۱۱۷ ح ۱۱۵۵۶ و کشف الاستار ۱/۱۴۷ ح ۲۸۱۔ حدیث حسن ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۱/۲۴۲ ح ۱۲۴۸

۱۵) "سلف صالحین" سے مراد عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لئے جاتے ہیں۔ لیکن تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے نیک لوگوں کو شامل کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ بعض لوگوں نے بعد کے زمانے کو بھی شامل کر لیا ہے۔ بہرحال اصطلاح اپنانے میں کوئی مذائقہ نہیں۔

۱۶) تعظیم قدر الصلاۃ ۱/۱۸۸

۱۷) سلف صالحین کی نماز اور خشوع کے حالات معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا: مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲۲۔ الخشوع فی الصلاۃ لابن رجب الحنبلی۔ تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی' سلاح الیقظان/عبدالعزیز السلام۔ اور ذاتی حالات و سیرت سے متعلقہ کتب بالخصوص حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفھانی رحمہم اللہ جمیعًا

۱۸) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ ح ۲۲۸

۱۹) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی نقصان الصلاۃ ح ۷۹۶ و مسند احمد ۴/۳۱۹' ۳۲۱' ۲۶۴ و صحیح ابن حبان (الاحسان) ۵/۲۱۰ ح ۱۸۸۹ اور حدیث حسن ہے۔

۲۰) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۲۲/۶۱۲

(۲۱) السنن الکبری للبیهقی ۱۰/۳ وحلیة الاولیاء ۱۰۵/۶، حالات ثور بن یزید، حدیث ۷۹۷۴۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح الجامع الصغیر ح ۱۲۷۱

(۲۲) فیض القدیر ۳۶۸/۲

(۲۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمة ح ۴۹۸۵، ۴۹۸۶
علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق سنن ابی داؤد و مسند احمد ۳۶۴/۵

(۲۴) مسند احمد ۴۸/۳ و سنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب حب النساء ح ۳۹۴۹، والمستدرك للحاکم ۱۲۰/۲۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع ح ۳۱۲۴

(۲۵) الوابل الصیب ص ۳۷

(۲۶) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۲۶ ح ۳۵۶۶۔ استاذ عبدالقادر الارناووط نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ جامع الاصول ۴۶۶/۴ ح ۲۱۳۶

(۲۷) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود ح ۴۸۲ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود ح ۸۷۵ و سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل ح ۱۱۳۶

(۲۸) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النهی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود ح ۴۷۹، و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعا فی الرکوع والسجود ح ۸۷۶

(۲۹) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود ح ۴۸۳ و سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب فی الدعاء والرکوع والسجود ح ۸۷۸

(۳۰) سنن النسائی، کتاب التطبیق، باب ۶۲ ح ۱۱۳۳/۱۱۳۴ تحقیق سنن النسائی میں علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ح ۱۰۷۶

(۳۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب مایستعاذ منه فی الصلاۃ ح ۵۸۸ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول بعد التشهد ح ۸۹۳

(۳۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل.... الخ ۲۷۱۶ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستعاذہ ح ۱۵۵۰

(۳۳) صحیح البخاری، کتاب صفة الصلاۃ، باب الدعاء قبل السلام ح ۷۹۹ و صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب استحباب خفض الصوت بالذکر

(۳۴) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول بعد التشهد ح ۹۸۵ و سنن النسائی، کتاب

(باقی صفحہ ۶۲ پر)

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۲۰)

ڈاکٹر ابو معاذ

استاد حسین خطیبی

آپ استاد بہار مرحوم کے عزیز ترین شاگرد تھے اور تہران یونیورسٹی میں بہار کی فارسی ادب کی خالی کردہ اسامی پر بطور پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ فارسی سبک شناسی میں سب سے زیادہ اہم دانشور کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ آپ ایران کی شیر و خورشید سرخ (ریڈ کراس) کے سیکرٹری جنرل تھے۔ جناب خطیبی کے شاگرد پروفیسر جعفر محبوب تھے جن سے راقم الحروف کو کسب فیض حاصل ہوا ہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں علامہ اقبال کے تمام کلام کا مطالعہ فرمایا اور پھر آپ کے کلام کی عالمانہ، فلسفیانہ اور شاعرانہ پہلوؤں کی نشاندہی کی اس طرح آپ نے اقبال کو حافظ شیرازیؒ کا ہم پلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی بعض غزلیات پر حافظ کی غزل کا گمان ہوتا ہے اور جب تک قاری کو علم نہ ہو وہ علامہ کے اشعار کو حافظ کے اشعار سمجھنے کی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے فنی پہلوؤں پر آپ کے مقالات جب ایران میں شائع ہوئے تو علمی حلقوں میں اچانک ارتعاش سا پیدا ہو گیا اور ایران کی علمی و ادبی محفلوں میں علامہ اقبال کی شاعری کا غلغلہ سنائی دینا شروع ہو گیا۔ آپ کے بقول علامہ اقبال نے فارسی شاعری کے نیم مردہ چراغ کو از سرِ نو روشن کیا اور اس ابدی نور سے نہ صرف پاکستان بلکہ ایران کو منور فرمایا پروفیسر خطیبی نے جس انداز سے اقبال کی حافظ کی پیروی میں لکھی ہوئی غزلیات اور مختلف شاعرانہ پہلوؤں کا ذکر فرمایا ہے ان کا ذکر ہمارے موجودہ موضوع کی مناسبت طوالت کا باعث بننے کے باعث ہم فی الحال اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

جناب مجتبیٰ مینوی

آپ فارسی، عربی اور انگریزی ادبیات کے ماہر تھے۔ علمی، ادبی، تنقیدی اور تاریخی مسائل پر آپ کے سینکڑوں مقالات اور متعدد کتب تحریر شدہ ہیں۔ آپ کئی برس تک لندن میں مقیم رہے تھے اور وہیں پر بعض ہندوستانی مسلمانوں (قیام پاکستان سے قبل) کے توسط سے علامہ اقبال کی شاعری سے روشناس ہوئے تھے۔ آپ کی تالیف "اقبالِ لاہوری" غالباً فارسی زبان میں علامہ اقبال کی شاعری کے بارے میں ایران میں لکھی گئی پہلی کتاب تھی جو ۱۹۴۹ء میں مجلّہ "یغما" کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس سے پہلے ہمیں جناب داعی الاسلام کے علامہ اقبال کے بارے میں ایک فارسی مقالہ کا ذکر ملتا ہے جو موصوف نے حیدر آباد دکن میں لکھا تھا۔ جناب داعی الاسلام حیدر آباد میں فارسی کے لیکچرر تھے اور وہیں پر فوت ہوئے۔ چونکہ وہ مقالہ ہندوستان میں تحریر ہوا اس لئے کتاب "اقبالِ لاہوری" ہی پہلی کتاب ہے جو ایران میں چھپی اور اسی کے باعث علامہ اقبال کو "اقبالِ لاہوری" کے نام سے پہچانا گیا۔

آپ کے مطابق علامہ اقبال ایک صاحب قدرت شاعر اور بلند مقام مفکر تھے جنہوں نے سعی و عمل کے نظریات کا پرچار کرتے ہوئے لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آشنا کروایا۔ برصغیر کی تحریک آزادی اور پھر ایک عظیم اسلامی مملکت کا قیام آپ کے افکار کا مرہون منت تھا اور ایران میں بھی کم از کم پچھلے سو برس میں آپ جیسی عظیم شخصیت پیدا نہیں ہو سکی۔ آپ نے مشرقی تصوف اور قدیم عقلی فلسفہ کے پیروکاروں کو جھنجھوڑتے ہوئے افلاطونی افکار کو ذہنی پسماندگی کا منبع قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے مغربی علم و حکمت کو عشق سے خالی ہونے کے باعث خام اور ناکارہ قرار دیا۔

علامہ علی اکبر دھخدا

آپ کو موجودہ دور کے عظیم ترین ادیب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے فارسی زبان میں "لغت نامہ" کے نام سے بیس کے قریب جلدیں ترتیب دیں اور آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے تہران میں ۱۹۵۱ء میں یوم اقبال کے جلسہ

کی صدارت کرتے ہوئے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ ہرچند کہ قیام پاکستان کے بعد ایرانیوں نے علامہ اقبال کے شعر و فکر کو سمجھنا اور پہچاننا شروع کیا ہے مگر ابھی تک کماحقہ آپ کے فلسفہ کی گہرائی کو سمجھا نہیں جا سکا۔ آپ نے ایرانی قوم کو فکر اقبال کے مزید مطالعہ کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا کہ علامہ اقبال نے ہندوانہ فلسفے میں موجود زندگی سے فرار اور گریز کی خامیوں کو جاننے کے بعد ملت اسلامیہ کو اسلامی وحدت میں مربوط کرنے کی کوشش فرمائی۔ ایک اور موقع پر علامہ دہ خدا نے علامہ اقبال کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔[۵]

زانگونہ کہ پاکستان با نابغۂ دوران اقبال شہیرِ خویش بر شرق ہمی نازد
زیبد وطنِ ما بر خویش ہمی بالد واندر چمن معنی چون سرو سرافرازد
زآنکہ روے اقبال خواہد کہ سخن گوید گنجینۂ قلبِ خود با گفتہ پردازد

(جس طرح پاکستان علامہ اقبال جیس نابغہ روزگار ہستی اور عظیم مفکر پر نازاں ہوتے ہوئے مشرق میں فخر سے سربلند کرتا ہے اسی طرح ہمارے وطن یعنی ایران کو بھی حق حاصل ہے کہ معنی کے باغ میں سرو کی طرح سربلند ہو کر فخر کرے، کیونکہ جب علامہ اقبال بات کرنا چاہتے ہیں اور اپنے روحانی خزانے کو زبان شعر کے ذریعہ عام کرتے ہیں)

از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی شائستہ نہ بیند تا باوے سخن آغازد

(اپنی فارسی زبان کے باعث اپنے ہم وطنوں کے علاوہ ماسوائے ایرانیوں کے کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان سے ہم کلام ہو سکے۔)

دُر ہاے ثمن خود در دُرجِ دری ریزد از پہنۂ این میدان جولانگہ خود سازد

(اپنے گوہرہائے بے تہا کو فارسی زبان کی ڈبیا میں انڈیلتے ہیں اور ایران کے میدان کی وسعتوں کو دہخدا اپنے افکار کی جولانگاہ سمجھتے ہیں۔)

علامہ دہخدا کے اعتراف کے بعد علامہ اقبال غیر متنازعہ طور پر فارسی شعر و ادب میں اہم ترین مقام کے حامل قرار پائے۔

جناب حسین تقی زادہ

آپ عرصہٴ دراز تک سیاسی جلا وطنی کے باعث ایران سے باہر رہے اور اس دوران جرمنی سے علمی مجلّہ "کاوہ" شائع کرتے رہے۔ آپ کے یورپ میں طویل قیام کی وجہ سے آپ کا بین الاقوامی فلسفیانہ اور انقلابی تحریکوں کے بارے میں وسیع مُطالعہ تھا۔ ایران لوٹنے پر آپ تمام علمی حلقوں میں انتہائی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور ۱۹۵۱ء میں متفقہ طور پر پارلیمنٹ کے ایوان بالا (مجلس سنا) کے چیئرمین منتخب ہو گئے۔ آپ نے یوم اقبال ۱۹۵۱ء کے موقع پر عظیم خطبہ دیا جس میں آپ نے علامہ اقبال کی اتحادِ اسلامی کے لئے خدمات کو سراہا۔ آپ کو روایتی متصوفین پر فوقیت دیتے ہوئے فرمایا کہ اقبال کے افکار کا مطالعہ وہی شخص کرے جس کا معاصر انقلابی تحریکوں، فلسفہ اسلام اور مغربی افکار کا وسیع مطالعہ ہو۔ آپ نے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ علامہ اقبال کی خواہش کے مطابق تہران کو عالم اسلام کا مرکز (جنیوا) بننے کی سعادت ایک نہ ایک دن ضرور نصیب ہو گی اور وحدت اسلامی کی تحریک ضرور زور پکڑے گی اور مسلم دُنیا کے اتحاد کا دن دُنیا ضرور دیکھے گی۔

جناب صادق نشأت

آپ مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ میرداماد کی اولاد سے تھے اور آپ کو عربی اور فارسی علوم پر تبحر حاصل تھا۔ آپ ۱۹۵۱ء میں علامہ اقبال کے کلام سے آشنا ہوئے۔ آپ نے اپنے ایک مقالے میں فرمایا کہ علامہ اقبال دلی اور روحانی اعتبار سے مکمل طور پر ایک ایرانی مفکر اور شاعر ہیں۔ آپ سُنّی مسلمان ہوتے ہوئے بھی تشیّع کی رُوح سے دور نہیں تھے بلکہ فرقہ وارانہ اختلافات ہی کے خلاف تھے اور تمام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ سید جمال الدین افغانی کی طرح تمام فرقوں کو ایک ہی درخت کی شاخیں قرار دیتے تھے۔ احیائے اسلام کا یقین کامل تھا۔ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مصائب و آلام کے بیان میں ایرانیوں کے ہم زبان تھے۔

ایران کے قومی شاعر جناب صادق سرمد مرحوم

ملک الشعراء بہار کے بعد آپ سبک خراسانی کے عظیم ترین شاعر تھے۔ سرکاری طور پر آپ کو ایران کا قومی شاعر قرار دیا جا چکا تھا۔ آپ کو ابتداء میں شاعرِ دربار کا درجہ بھی حاصل تھا اور شاہ ایران کے ہمراہ آپ نے ۱۹۵۰ء میں پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ مگر ۱۹۵۳ء میں جب آپ نے شاہ کے خلاف جناب مصدق کا ساتھ دیا تو آپ زیرِ عتاب آ گئے اور آپ کی جملہ مراعات چھن گئیں۔ اب آپ شاہ کو چھوڑ کر اقبال کے قصیدہ گو بن گئے۔ آپ نے جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی دعوت پر پاکستان کا خصوصی دورہ کیا اور کراچی، لاہور، پشاور اور ڈھاکہ میں قیام فرمایا۔ آپ کے کلام کا کم از کم ایک تہائی حصہ علامہ اقبال اور پاکستان کی توصیف و تجلیل میں ہے۔ آپ ۱۹۵۹ء میں وفات پا گئے مگر آپ نے اپنی زندگی کے آخری دس برس علامہ اقبال کے افکار کی اشاعت و ترویج میں وقف کر دیئے۔ ڈاکٹر عرفانی مرحوم نے آپ کی زندگی اور شاعری پر "سرودِ سرمد" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی تھی۔ ہر اعتبار سے ایران کی موجودہ تاریخ میں جناب سرمد کو اقبال کا سب سے بڑا مداح اور مبلغ سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ کی بے چین روح کسی اسلامی انقلاب کی منتظر تھی اور شاہ کے دربار میں وابستگی کے دوران بھی آپ شاہ کو ملت ایران کے انحطاط اور اخلاقی و سماجی مسائل کی بابت خبردار کرتے رہتے تھے اور کبھی کبھی آپ کے شعروں سے بغاوت کی بو آتی تھی۔ یہ سب کا سب علامہ اقبال کی شاعری کے مطالعہ کا اثر تھا۔ ملاحظہ ہو کہ شاہ سے خطاب کرتے ہوئے ایک قصیدے "کاخِ فساد" میں فرماتے ہیں ؎

اے کاش غم و بلا فزون گردد تا کاخِ فساد واژگون گردد
(اے کاش غم اور مصیبتیں حد تک بڑھ جائیں تاکہ فساد کا محل زمین بوس ہو جائے۔)

این بامِ شکستہ پئے کہ ما داریم بے سایہ وسقف و بے ستون گردد
(ہمارے سر پر جو ٹوٹی پھوٹی چھت ہے میری دعا ہے کہ یہ گر جائے، نہ کوئی چھت بچے نہ ستون اور اس کا منحوس سایہ ہمارے سروں پر نہ رہے۔)

اے زارعِ تیرہ روزِ کم روزی   تا چند نشستہ ای کہ چون گردد
(اے غریب اور مفلوک الحال مزارع! کب تک بیٹھ کر یہ سوچتا رہے گا کہ تیرے دن پھر جائیں گے)

تو قلب زمین بہ پنجہ بشگافی   تا نعمت خواجہ گوناگوں گردد
(تو زمین کو اپنے پنجوں سے کھودتا رہتا ہے تاکہ جاگیرداروں کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے)

خونِ ظالم چرا نمی ریزی   تا زرد رخِ تو لالہ گون گردد
(تو ظالموں کا خون کیوں نہیں بہا دیتا تاکہ تیرا زرد چہرہ لالے کے پھول کی طرح سرخ ہو جائے۔)

این بے خردی کہ عقل می خوانی   اے کاش بدل بہ یک جنون گردد
(جس حماقت کو تو نے عقل سمجھ رکھا ہے خدا کرے کہ وہ جنون میں تبدیل ہو جائے۔)

انہی ایام میں محمد رضا شاہ پہلوی نے برطانیہ کا دورہ کیا اور شاہ کی واپسی پر بطورِ شاعر دربار آپ کو شاہ کے خیر مقدم کے لئے قصیدہ کہنا پڑا۔ آپ کا قصیدہ ہے تو ایک پند نامہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک ممکنہ اسلامی انقلاب کی جانب اشارے اور اظہار مایوسی ہے۔ یہ اعلائے کلمتہ الحق جو دربار میں بر سرعام کیا جائے وہ سُنّتِ موسوی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

شہریارا! فاش گویم ہیچ و ہرگز ملتے   کاب سایہ بےہدف چون ما بہ ہاون دیدہ ای
(اے بادشاہ! میں صاف بتا رہا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کبھی کسی نے ہماری قوم کی طرح کوئی بھی قوم دیکھی ہے جو بے مقصد ہاون میں پانی ڈال کر اسے گھوٹتی رہے؟)

ما گرفتارِ غروریم و اسیرِ مکر و فن   الحذر از ہرچہ مکر و حیلہ و فن دیدہ ای
(ہم جھوٹے غرور میں مبتلا ہیں اور فراڈ اور نوسربازی کا شکار ہیں۔ خدا آپ کو اس مکر، حیلہ اور فراڈ جو تم نے اپنے اردگرد دیکھا ہے اس سے محفوظ رکھے۔)

شست باید نقشِ زشتی ہا ز روے اجتماع   تا نہ بینی آنچہ نتوان دید لیکن دیدہ ای
(سوسائٹی اور معاشرے کے چہرے سے بدصورتی کے داغ دھو دینے چاہئیں تاکہ وہ چیزیں جو نظر نہیں آنی چاہئیں لیکن تو نے ان کو پھر بھی دیکھا ہے ان کو مستقبل میں تو

نہ دیکھ سکے۔)

سوسنِ آزاد خواہی سروِ آزادی نشان　　تا بروید آنچہ بہ از سرو و سوسن دیدہ ای

(اگر آزادی کے پھولوں کی خوشبو سے غرض ہو تو تمہیں چاہئے کہ آزادی کے سرو اگانے کی کوشش کرتا کہ جو کچھ تو نے برطانیہ میں سرو اور سوسن دیکھے ہیں وہ یہاں بھی ظاہر ہو سکیں۔) ظلم و استبداد کی کوکھ سے آزادی جنم نہیں لیتی۔

در حسابِ زندگی بر سفرۂ شاہ و گدا　　قسمتِ ہر کس بمقدارِ معیّن دیدہ ای

لالچ اور لوٹ کھسوٹ کا کیا فائدہ؟ (تو نے زندگی کے حساب کتاب کے اعتبار سے ہر شاہ و گدا کا رزق تو اس کے دسترخوان پر اپنی قسمت کے مطابق پہنچتا ہوا دیکھ ہی لیا ہے۔)

آپ کے انقلابی خیالات جب علامہ اقبال کے شعر و فکر کے اسلوب میں ڈھلے تو آپ نے شاہ کا تختہ الٹنے پر جناب محمد مصدق کو مبارک باد کا تار دے دیا اور شاہ کے تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ جانے پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا۔ اس واقعے کے بعد تو آپ علامہ اقبال کے پیرو کار ہو کے ہی رہ گئے۔ لیکن شاہ سے وابستگی کے ایام میں بھی آپ کے ایسے قصائد اور نظمیں دستیاب ہوتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے علامہ اقبال کا دقیق انداز میں مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اپریل ۱۹۵۰ء میں آپ نے جو اوّلین قصیدہ حضرت علامہ اقبال کی شان میں لکھا اس کے چیدہ چیدہ اشعار کچھ یوں ہیں۔

اگرچہ مرد بمیرد بگردشِ مہ و سال　　نمردہ است و نمیرد محمد اقبال

(اگرچہ انسان وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دن اس دُنیا سے چلا جاتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نہ تو مرے ہیں اور نہ ہی کبھی مریں گے۔)

حیاتِ صورتش ارطے شدہ است طے نشود　　حیاتِ سیرتش ارطے شود ہزاران سال

(ہر چند آپ کی طبعی زندگی ختم ہو چکی ہے لیکن آپ کی فکری زندگی ختم نہیں ہو گی، اگر ہوئی بھی تو ہزاروں سالوں بعد۔)

درود باد بہ لاہور و خطّۂ پنجاب　　کہ زاد و پرورد این شاعرِ نجستہ خصال

(شہر لاہور اور خطہ پنجاب پہ خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں جہاں یہ عظیم اور عالی فطرت شاعر پیدا ہوا اور پلا بڑھا)

چراغِ لالہ شد و آن قدر بصحرا سوخت　　کہ شمعِ محفلِ اقبال گشت و روشن حال

(آپ لالے کا چراغ بن کر صحرا میں اس قدر جلے کہ وہ گلِ لالہ ایک روشن شمع بن گیا جس کے ارد گرد پروانوں نے جمع ہو کر محفل اقبال سجالی۔)

زمامِ ناقۂ اسلام زی قطار کشید اگرچہ دستِ طبیعت بدونداد مجال

آپ کے ایک مشہور شعر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ (وہ عالم اسلام کی گم شدہ اونٹنی کو مہار سے پکڑ کر قطار میں لے آیا' لیکن بعد کے حالات کا مشاہدہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔)

قیامِ مردِ خدا کم تر از قیامت نیست کہ بعثِ ملّت و دولت کند باستعجال

(آپ جیسے مردِ خدا کا قیام' قیامت سے کم نہیں ہے کیونکہ آپ کے قیام نے قوم و ملت کو ایک دم سے نئی زندگی دی اور ایک ملک قائم ہو گیا۔)

سخن سرائے اقبال بذرِ دین فشاند برغمِ دشمنِ بے دین و کافرِ قتّال

(کافر اور بے دین قاتل دشمن کی مخالفت کے باوجود آپ کی شاعری نے دین کے بیج بو دیئے۔)

رسول وار بہ تبلیغِ حق کتاب نوشت کہ قدرِ حق بشناسد منافقِ محتال

(آپ نے پیغمبروں کی طرح حق کی تبلیغ کی اور کتابیں لکھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے عظیم شخص کی قدر دانی کوئی حیلہ جو منافق کر سکے۔)

انہی دنوں ایران کے بادشاہ کے ہمراہ آپ کو مشرقی اور مغربی پاکستان کا دورہ کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ آپ نے لاہور کے زندہ دل عوام کو شالیمار باغ میں ایک پیغام دیا جو علامہ اقبال کے جواب میں پہلا پیغام تھا جو ایران سے لاہور پہنچا اور ایران نے ہمارے ساتھ فکری یک جہتی کا ثبوت فراہم کیا۔ یہ شعر ۱۹۵۰ء میں کہے گئے۔ اسی پس منظر میں ملاحظہ کیجئے ؎

اے مسلمانانِ پنجابی زہے اقبالتان کزدمِ اقبالتان مقبول شد آمالتان

(اے پنجاب کے مسلمانو! آپ کا اقبال کتنا عظیم تھا جس کے افکار نے آپ کے لئے ایک راہ متعین کی اور آپ کی آزادی کے حصول کی آرزو پوری ہو گئی۔)

نغمۂ اقبالتان سوئے قطار آورد بار اے مسلمانانِ پنجابی زہے اقبالتان

آپ کے اقبال کے نغمہ نے آپ کے منتشر کاروان کو متحد اور منظم کیا۔ اے پنجاب کے مسلمانو! آپ کا اقبال کس قدر عظیم تھا۔

گر چراغِ لالۂ صحرائی اقبالی نبود شمعِ آن محفل نمی شد روشنیٔ حالتان
(آپ کے اقبال کا لالۂ صحرا نہ ہوتا تو آج کے دلوں کی روشنی ایک شمع بن کر یہ محفل اپنے گرد سجا نہ سکتی۔)

فکرِ خود کردید و اسرارِ خودی آموختید لاجرم بے خود شد نزدِ خدا اعمالتان
(تم نے اپنی فکر کی اور جدّوجہدِ آزادی کے دوران خودی کے راز جان لئے۔ بے شک خداوندِ قدوس کے ہاں آپ کی کوششیں بار آور ثابت ہوگئیں۔)

صادق سرمد نے اس کے بعد ایران میں علامہ اقبال کے جو قصائد کہے ان میں سے "مشتے از خروار" کے مصداق چند ایک قصائد کے چند منتخب اشعار پر اکتفا کرتے ہوئے ہم قارئین کو یہ یاد دلانا چاہیں گے کہ علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں کس طرح امتِ محمدیہ میں اسلامی نظریات کے فروغ کے لئے مخلصانہ کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ شعراء حضرات چونکہ کسی قوم کے "دیدۂ بینا" ہوتے ہیں اس لئے وہ قوم کے درد و آلام کا احساس کرتے ہوئے جو کچھ کہتے ہیں وہ عوام کے مافی الضمیر کا ترجمان ہوتا ہے۔ سرمد کا قصیدہ "ایامِ بزرگ" بھی انہیں حقائق کا آئینہ دار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اقوامِ بزرگ اند بہ افکارِ بزرگان دین سنّتِ دیرینۂ اقوامِ بزرگ است
(قوموں کی عظمت کا راز اُس کے زعماء کے افکار میں پنہاں ہوتا ہے اور یہ عظیم اقوام کی قدیم روایت رہی ہے۔)

اقبال کہ پیغمبرِ حق بود در حضرتِ حق صاحبِ انعامِ بزرگ است
(چونکہ اقبال اللہ کے رسول کا پیغام پہنچا رہے تھے اس لئے وہ خدا کے دربار میں عظیم نعمتوں سے نوازے گئے ہیں۔)

احرام چہ بندی بر اہرام؟ چو اقبال رُو سوے حرم کن کہ بہ احرامِ بزرگ است
(قدیم ادوار کے کھنڈرات مثلاً اہرام مصر کے لئے احرام کیوں باندھ رہے ہو؟ اقبال کی طرح حرم کعبہ کی جانب رخ کرو کیونکہ اس کا مقام اور حرمت بہت بلند ہے۔)

یہ دراصل علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ فرماتے ہیں ؎

زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است
(زمانے نے پرانے بتوں یعنی رنگ و نسل اور تاریخ کے اصنام کو بار بار سجایا۔ میں حرم

سے وابستہ رہا کیونکہ اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں۔)

اقبال بزرگ است کہ در عالمِ توحید　　از بُت شکنی دشمن اصنامِ بزرگ است

(علامہ اقبال کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ آپ توحید کے جہاں میں بڑے بڑے بُتوں کو توڑ کر بُت شکنی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔)

اقبالِ بزرگ است کہ بر گردنِ اسلام　　از خدمتِ بے منّتِ وے دامِ بزرگ است

(اقبال کی عظمت اس وجہ سے بھی ہے کہ آپ نے اسلام کی بے پناہ خدمت کر کے ملّتِ اسلامیہ کے عظیم محسن کا شرف حاصل کیا ہے۔)

اس کے بعد جناب صادق سرمد نے کئی ایک قصائد لکھے جن میں قصیدہ "دانائے راز" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں انہوں نے منہ زور شہنشاہوں اور آمروں کا ذکر کرتے ہوئے ایک انقلاب کی جانب اشارہ کیا ہے جو اسلام کی دعوتِ حق کے باعث رونما ہو گا اور جس کی اساس علامہ اقبال کے افکار پر ہو گی۔ منتخب اشعار حاضرِ خدمت ہیں ؎

ہزار طالبِ شہرت بہ فکرِ شیطانی　　فریفت جامعہ و فتنہ در سیاست کرد

(ہزاروں شہرت کے بھوکے لوگوں نے اپنی شیطانی سوچوں کے ذریعہ عوام کو اُلّو بنایا اور سیاست میں آ کر فتنہ و فساد کا باعث بنے۔)

ہزار حاکمِ مطلق بدین گمان کہ توان　　بخلق روے زمین تا ابد حکومت کرد

(ہزاروں آمروں اور مطلق العنان حکمرانوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ اس جہان میں وہ ہمیشہ کے لئے حکومت کرتے رہیں گے۔)

نشست در پسِ دیوارِ آہنی بغرور　　بدین گمان کہ مسخر جہان ز قدرت کرد

(یہ لوگ آہنی پردوں کے پیچھے اپنے غرور اور تکبر میں مست ہو کر تصور کرتے رہے کہ وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر دُنیا کو فتح کر لیں گے۔)

عجب کہ چوں بسر آمد حیاتِ صورتشاں　　کسے نبود تو گوئی کہ با تو صحبت کرد

(یہ باعث حیرت ہے کہ جب ان کو موت آ گئی تو کوئی بھی شخص ایسا نہ ملا جس نے ان لوگوں کا ذکر تک کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔)

حیاتشان ہمہ نقش بر آب شد چو حباب　　کہ چون حباب شکست آنکہ نقشِ صورت کرد؟

(ان کی زندگی سب کی سب بلبلے کی طرح نقش بر آب ثابت ہوئی۔ جونہی وہ بلبلہ ٹوٹا

اقبال اکیڈمی کراچی

تو پھر ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔)

ولیک مردِ خدا را خدائی مرگ نداد مگر کہ قالبِ صورت بدل بسیرت کرد

(لیکن خدا نے اپنے بندوں پر موت طاری نہ کی۔ صرف اتنا ہوا کہ جونہی ان کی جسمانی زندگی ختم ہوئی ان کی سیرت یعنی اعمال کی زندگی شروع ہو گئی۔)

حیاتِ مردِ خدا حیاتِ ملّتہاست کہ مردِ حق سرو جان در حیاتِ ملّت کرد

(خدا کے بندے کی زندگی درحقیقت قوموں کی زندگی ہے کیونکہ خدا کے بندوں نے اپنی زندگی قوموں کی زندگی کے لئے وقف کر دی۔)

درود باد بر اقبال و معجزِ سخنش کہ معجزِ سخنش عالمے بحیرت کرد

(خدا کی رحمتیں علامہ اقبال اور ان کے شاعرانہ کمال پر ہوں کہ ان کے شعر کے اعجاز نے پوری دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا)

دم زخودی زد و بیگانہ راند از سرِ خویش بلے بخود رسد آن کو ز حق اطاعت کرد

(انہوں نے خودی کا دم بھرا اور بیگانوں یعنی کفار کو دھتکار دیا۔ ہاں ہاں وہ شخص جو خدا کی اطاعت کرے وہ اپنے حقائق تک پہنچ جائے گا۔)

درود باد بامروز و صاحبِ امروز کہ روزگار بنامش صحیفہ زینت کرد

(خدا کی رحمتیں علامہ اقبال پر ہوں اور آپ کی حق طلب جان پر۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ حق اور سچائی کی خاطر کیا)

ایک بار پھر آپ ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لائے اور علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی۔ اب جس وفورِ جذبات سے علامہ اقبال کی قبر پر بیٹھ کر جناب سرمد نے اپنا خراج عقیدت پیش کیا وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ شاعر جو بادشاہوں کے دربار میں قصیدے پڑھتا تھا آج وہ ایک فقیر کی قبر پر بلا طمع و ہوس اپنے دلی جذبات قصیدے کی صورت میں پیش کر رہا تھا۔ اس قصیدے کے ایک ایک شعر میں علامہ کے کلام کے مختلف اشعار اور پہلوؤں کی طرف نازک اشارے پائے جاتے ہیں۔

تُو بہ سیرت زندہ ای کاندر حیاتِ اجتماع ملّتے را زندہ کرد اندیشہ و آمالِ تو

(تیری سیرت قوم و ملت کی روح کے طور پر زندہ رہے گی کیونکہ تیری سوچوں اور آرزوؤں نے قوم کو زندگی عطا کی ہے۔)

نقشِ فطرت خواند فکرت از ضمیرِ کائنات مرحبا بر فطرت و بر فکرتِ جوالِ تو

(تیری سوچوں نے ضمیر کائنات میں چھپے ہوئے فطرت کے نقوش بھی پڑھ لئے ہیں۔
آپ کی فطرت اور آپ کی شعلہ بار سوچوں پر آفرین ہو۔)

چون بہ تبلیغِ حقائق رہبرِ امت شدی تُو بہ پیشِ اُمت و اُمت شد از دنبالِ تو

(حقائق کی تبلیغ کرتے کرتے آپ امتِ محمدی کے رہبر بن گئے۔ اب فکری اعتبار سے آپ امت کی رہنمائی کرنے لگے اور امت بھی آپ کے پیچھے لگ گئی۔)

دولتِ اسلامیان را باز آوردی بہند در حقت نازم کہ طے شد بازیِ دجّالِ تو

(برصغیر پاک و ہند میں ایک بار پھر آپ نے حکومت اسلامی کی بنیاد رکھ دی۔ اس احیاءِ اسلام پر ہمیں فخر ہے کہ آپ کے دجال دشمن کی چالیں مات ہو گئیں۔)

زندگیٔ پیشوایان زندگیٔ اُمّت است آفرین ہا بر تو و بر اُمّتِ فعّالِ تو

(پیشواؤں کی زندگی در حقیقت قوم کی زندگی ہے۔ ہزار آفریں ہو آپ پر اور آپ کی متحرک و فعال قوم پر۔)

اس کے علاوہ آپ نے تحریک پاکستان میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کی فکری اساس کا کس خوبصورت انداز میں اپنی ایک اور نظم میں ذکر فرمایا ؎

اقبال کشت بذر و جناحش فشاند آب اقبال کشت تخم و جناحش ثمر گرفت
قائد فراشت پرچمِ اقبال تا ابد کز بہرِ خلق پرچمِ فتح و ظفر گرفت

(علامہ اقبال نے کھیتی بوئی اور جناح نے اسے پانی دیا۔ اقبال نے بیج بویا اور جناح نے اس کا ثمر حاصل کیا۔ قائد نے قیامت تک کے لئے اقبال کے اس پرچم کو بلند کر دیا جو عوام کے لئے فتح و ظفر کی دلیل اور نشان ہے۔)

علاوہ بریں لاہور کے بارے میں آپ کی بے شمار منظومات چھپ چکی تھیں۔ پھر پشاور اور ڈھاکہ کا ذکر آپ کے لاتعداد اشعار میں ملتا ہے۔ فروری ۱۹۵۱ء میں آپ نے کشمیر کے بارے میں ایک طویل قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہاں برمحل ہوں گے۔ ؎

فریاد کہ از کشاکشِ کشورِ کشمیر بسیار مسلمان بگذشت از دمِ شمشیر

(آہ کشمیر کی کشاکش میں کتنے مسلمان تھے جو اب تک اسلحے کا نشانہ بن چکے ہیں۔)

بس شہر کہ غارت شد و بس خانہ کہ ویران ویرانہ تر از آنکہ بود قابلِ تعمیر

(کتنے شہر تھے کہ غارت ہو گئے اور اس قدر ویران ہو گئے کہ ان کی عمارات قابلِ تعمیر

بھی نہ رہیں۔)

مغرور مشو اے کہ بہ تقدیر سیاست تزویر کنی با حق در قالبِ تدبیر

(مغرور مت ہو کہ سیاسی چالیں چل کر آپ حق کو نہیں دبا سکیں گے اور کوئی بھی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔)

تقدیر الٰہی را بازیچہ مگیرید تقدیر الٰہی حق و حق است جہانگیر

(خدا کی تقدیر کو کھیل تماشہ مت سمجھو۔ تقدیر الٰہی حق ہے اور بالآخر حق ہی دُنیا میں چھا جاتا ہے۔)

کشمیر بود حقِ مسلمان و مسلمان گیرد حقِ خود، نشود زود شود دیر

(کشمیر پر مسلمانوں کا حق ہے اور مسلمان اپنا حق لے ہی لیتے ہیں، اگر جلدی نہ ہو سکے تو پھر دیر سے ہی سہی۔)

شورای ملل گر طلبد صلح جہانی گو حکم بحق کن نہ بہ تعبیر بہ تفسیر

(اگر اقوام متحدہ دُنیا میں صلح و امن کے لئے قرار داد پاس کرتی ہے تو حق بات کرے، اس کی تعبیروں اور تفسیروں میں مت اُلجھ جائے۔)

امروز اگر ملّتِ کشمیر اسیر است فرداست کہ درہم گسلد رشتۂ زنجیر

(آج اگر کشمیر کی قوم غلام ہے تو کل تو زنجیر کی کڑیاں ٹوٹ کے رہیں گی)

امروز اگر نالۂ کشمیر ضعیف است فرداست کہ غوغا کند نعرۂ تکبیر

(آج اگر کشمیریوں کے آہ و نالہ میں اثر نہیں تو کل تو وہاں پر ضرور نعرۂ تکبیر کا غلغلہ بلند ہوگا۔)

اسی طرح ۱۹۵۳ء میں پاکستانی محققین اور دانشوروں کا وفد جناب مولوی محمد شفیع مرحوم کی قیادت میں ایران پہنچا، تو ان کے خیر مقدم کے لئے ایرانی ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں نے کئی محفلیں منعقد کیں۔ اس موقع پر جناب صادق سرمد کا قصیدہ پاکستان اور ایران کے دینی، لسانی اور ثقافتی رشتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

کاروانِ علم و ایمان شد زپاکستان بہ ایران خیر مقدم، مرحبا، بر کاروانِ علم و ایمان

(علم اور ایمان کا کاروان پاکستان سے ایران آیا ہے۔ ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس علم و ایمان کے کاروان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔)

گر بتاریخ کہن بینی، کہن بینی روابط چنان از عہدِ کورش، چنان از بعدِ ساسان

(اگر قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو کوروش اعظم کے دور اور بعد میں ساسانیوں کے عہد میں دونوں قوموں کے مابین مضبوط روابط کا سراغ ملے گا۔)

چون ز ایران روبہ ہند آورد آئینِ الٰہی　　فیضِ آئینِ محمدؐ شد شفیع کارہاں

(جب ایران کے راستے اسلام کا آئین الٰہی ہندوستان میں داخل ہوا تو آئینِ محمدیؐ کے فیض سے پاک لوگوں یعنی اہل پاکستان کی شفاعت کا سامان ہونے لگا۔)

چون شد اندر قلبِ پاکاں بذرِ ایمان ریشہ فگن　　بردمید از خاکِ مردہ 'باغِ رضوان' آبِ حیواں

(جب پاک لوگوں کے سینوں میں ایمان کا بیج پھلنے پھولنے لگا تو ہندوستان کی مردہ سرزمین میں اسلامی ملت کا باغِ رضوان اور آبِ حیات کا چشمہ ابلنے لگ گیا۔)

چون ہلالِ پرچمِ اقبالِ پاکستان برآمد　　در صلیب افتادہ لرزہ 'یارِ ترساگشت ترسان

(جب علامہ اقبال کی خوابوں کی تعبیر کے طور پر پاکستان کے پرچم کا ہلال نمودار ہوا تو برطانیہ کے صلیبی علم پر لرزہ طاری ہو گیا اور عیسائیوں کے دوست لرزنے لگے۔)

اس کے بعد آپ نے ایران اور پاکستان کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ؎

گر ملل را وحدتِ اوطان فزاید بر اخوت　　وحدتِ اوطان کجا تا وحدتِ آمالِ اخوان

(ہم آپس میں بھائی ہیں اور بھائیوں کی آرزوئیں وطن کی محبت پر غالب آسکتی ہیں اور قومیں اسلامی اخوت کے باعث ایک ہو سکتی ہیں۔)

ور ملل را زاختلافِ رنگ و شکل است اختلافی　　وحدتِ دل ہا زداید اختلافِ شکل و اکواں

(اگر کبھی قوموں کی پہچان ان کے رنگ اور شکل و صورت کی وجہ سے ہو تو دلوں کی وحدت ایسے رنگ و صورت کے اختلافات کو ختم کر دیتی ہے۔)

لیک اگر سُنّت شود واحد بحکمِ وحدتِ دیں　　وحدتِ ملّیت آید رہنمائے نوعِ انسان

(لیکن اگر دینی وحدت کے باعث سُنّت بھی ایک ہو جائے تو پھر ایسی وحدت جنم لیتی ہے جو بنی نوع انسانی کی رہنما بن جاتی ہے۔)

وحدتِ ایران و پاکستان بحکمِ دین و سنّت　　وحدتِ عالم تواند شد زروئے عقل و میزان

(پاکستان اور ایران کی وحدت کی بنیاد تو ہمارا مشترک دین و سُنّت ہے۔ دُنیا کی وحدت شاید عقل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہو سکے۔)

تا بداند دشمنِ بے دین کہ مارا دین چہ باشد　　دینِ علم و دینِ عدل و دینِ عقل و دینِ برہان

(ہمارے بے دین دشمن کو پتہ چلے کہ ہمارا دین کیا ہے۔ دین اسلام تو علم، عدل، عقل

اور دلائل کا دین ہے)

مرحبا بر خاکِ پاکستان کہ از لوثِ مطامع پاک شد چو کشورِ ایران بہ تعلیماتِ قرآن

(پاکستان کی سرزمین پر آفرین ہو جو ایران کی طرح قرآن پاک کی تعلیمات کے باعث لالچ کی گندگی سے پاک ہو گئی)

اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا گواہی صادق آمد ہر کہ بر حق زد قدم شد راہِ حق بروی نمایان

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر قرآن پاک کی آیت کے مصداق کہ "جن لوگوں نے ہمارے لئے جہاد کیا" گواہی صادق آتی ہے۔ جو لوگ حق کی راہ پر چل پڑے پھر راہ حق کے آثار ان پر واضح ہونے لگے۔)

برتر از دینِ مسلمانی نہ بینی ہیچ دینی کاندر او حریت و عدل و اخوت ہست بنیان

(آپ کو دینِ اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں ملے گا جس کی بنیاد ہی آزادی، انصاف اور اخوت پر قائم ہے)

یادِ ایامی کہ من مہمانِ لاہورِ تو بودم شعرہا خواندم بہ تحسین و بہ تجلیلِ فراوان

(ان دنوں کی یاد میں کہ جب میں تیرے لاہور شہر کا مہمان تھا اور تحسین و تجلیل میں شعر اور قصیدے کہہ رہا تھا۔)

میزبان از میہمان بشناختن آسان نباشد چون مسلمانے در آید بر سرِ خوانِ مسلمان

(جب کسی مسلمان کے دسترخوان پر کوئی مسلمان آن بیٹھے تو پھر مہمان اور میزبان کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے)

اسی طرح آپ کے اشعار صوفی تبسم، ڈھاکہ کے عندلیب شادانی اور فیض محمد، کراچی کے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور بے شمار دیگر زعماء کی ایران میں آمد کے موقع پر کہے گئے۔ صادق سرمد ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علامہ اقبال کو "ملّا" کہا اور بعد میں علامہ اقبال ایران میں مولانا اقبال کہلائے۔ "رومیٔ عصر" کی اشاعت پر آپ نے کہا ؎

رومیٔ عصر نامِ زیبائی است کہ چو رومی گزیدہ اقوال است

(علامہ اقبال کے لئے رومیٔ عصر کا خطاب بہت خوبصورت ہے کیونکہ آپ کے اقوال بھی مولانا روم کی طرح منتخب اور بے نظیر ہیں۔)

گرچہ مُلّای روم یکتا بود یک تنہ، یک ہزار مُلّا بود

(ہر چند کہ مولانا روم یکتائے روزگار تھے، وہ آدمی تو ایک ہی تھے لیکن ایک ہزار مُلّا

یعنی علماء کے برابر تھے۔)

لیکن اقبال شد ز پیروی اش یکے از پیروانِ معنوی اش

(لیکن علامہ اقبال ان کی پیروی میں ان کے روحانی مرید بن گئے۔)

رفت دنبالِ پیر و مُلّا شد آگہ از رازِ پیر و برنا شد

(آپ اپنے پیر کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے خود بھی ملا بن گئے اور ہر بوڑھے اور جوان کے رازدان بن گئے۔)

افسوس کا امر ہے کہ جب صادق سرمد ۱۹۵۹ء میں خدا کو پیارے ہو گئے تو پاکستان میں ان کی یاد میں کوئی خبر نہ چھپ سکی۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس عظیم اقبال شناس اور ملّتِ پاکستان کے ہمدرد صحیح مسلمان ایرانی شاعر کے لئے کم از کم دعائے مغفرت تو کریں۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

(جاری ہے)

بقیہ : نماز میں خشوع

السھو' باب ۵۸۔ علامہ الالبانی نے "تحقیق ابی داؤد" میں حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳۵) سنن ابی دائود' کتاب الصلاۃ' باب الدعاء ح ۱۴۹۵ سنن النسائی' کتاب السھو' باب الدعاء بعد الذکر ح ۱۳۹۹۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داؤد ح ۱۳۲۶

(۳۶) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ اغفرلی.... الخ ح ۶۰۳۵/۶۰۳۶ و صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ' باب التعوذ من شر ما عمل ح ۲۷۱۹

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

ممتاز شامی ادیب وعالم

الشَّیخ علی طنطاویؒ

تحریر : ڈاکٹر نور احمد شاہتاز' جامعہ کراچی

سعودی ریڈیو اور ٹی وی پر تیس برس کے لگ بھگ علمی و ادبی رنگ جمانے اور وعظ و تبلیغ کے میدان میں نیک نامی و شہرت حاصل کرنے والے ممتاز شامی عالم الشیخ علی طنطاوی ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ (إنا للہ وإنا إلیہ رَاجعون) انہوں نے پون صدی علم و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ الشیخ علی طنطاوی کو عرب دنیا کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک منفرد مقام حاصل تھا اور وہ اپنی ظریفانہ شانِ ادب کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے' مگر ان کی ظرافت علم کے حصار اور ادب کے پہرے میں تھی۔

علی طنطاوی ۲۲ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ یعنی ۱۲ جون ۱۹۰۹ء کو دمشق کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ مصطفیٰ طنطاوی بھی عالم تھے اور دادا شیخ محمد طنطاوی کا شمار تو شام کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ ان کے ماموں ایک صاحب طرز انشاء پرداز ادیب اور اسلامی فکر کے حامل قلم کے مالک تھے جو استاذ محب الدین الخطیب کے نام سے معروف تھے۔

شیخ علی طنطاوی نے ابتدائی تعلیم دمشق کے مدارس میں پانے کے بعد دمشق آرٹس اینڈ لاء کالج سے ۱۹۳۳ء میں گریجویشن کیا اور پھر مختلف تدریسی عہدوں پر کام کرنے کے علاوہ عدالتی عہدوں پر بھی فائز رہے۔ مزید علم کے شوق نے انہیں مصر پہنچایا جہاں وہ کلیۂ دار العلوم میں داخل ہو کر سید قطب کے ہم سبق ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں وہ دمشق کے مدرسہ "انموذج المیدان" میں استاذ مقرر ہوئے۔ ان کے اُس دَور کے ایک شاگرد جناب زہیر الشاویش آج ایک ممتاز ادیب ہیں اور اپنے استاد کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ہم نے اپنے شیخ سے بہت کچھ سیکھا۔ علم کے علاوہ انہوں نے ہمیں جو تربیت دی اس کا اثر ہماری زندگیوں پر براہ راست پڑا۔ ایک مرتبہ کلاس میں شور وغل شروع ہو گیا' وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آتے ہی انہوں نے مجھے (زہیر الشاویش) دو تھپڑ جڑ دیئے۔ پھر میں نے اس کے بعد کبھی مار نہیں کھائی۔ کوئی دس برس بعد ایک بار میں نے ان سے ایک محفل میں اس بچپن کی مار کا ذکر کیا تو بڑی شفقت سے کہا: "استاذ کو اپنی کلاس پر کنٹرول رکھنے اور طلبہ کو تمیز سکھانے کے لئے کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے مگر زہیر آؤ آج مجھ سے اپنا بدلہ چکالو۔"

شیخ علی طنطاوی نے فرانسیسی استعمار کے خلاف شامیوں کی قیادت کی ہے۔ ان کی کتاب الذکریات (یادداشتیں) جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ کے مطابق نوجوان لیڈر فخری البارودی کی گرفتاری کے خلاف دمشق میں ساٹھ روز ہڑتال ہوئی۔ یہ ہڑتال اتنی شدید تھی کہ گلی کوچوں کی دکانیں تک احتجاج میں بند تھیں۔ شیخ علی طنطاوی مظاہرین کے قائد تھے۔ ان کی قیادت میں باب الجابیہ' جامع مسجد اموی' سرای حکومت اور دیگر اہم مقامات سے جلوس نکلتے تھے اور وہ نوجوانوں اور طلبہ کو قیادت فراہم کرنے اور ان میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کرنے میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے

شیخ علی طنطاوی چونکہ ایک ادیب عالم تھے اس لئے انہیں شعروادب سے بھی لگاؤ تھا اور وہ اپنے تلامذہ کو خیرالدین زرکلی کے اشعار سنا کر خوب محظوظ کرتے تھے جن کی شاعری انقلابی شاعری تھی۔

وہ جب مصر میں تھے تو ان کا نام شام میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات کے امیدواروں میں شامل تھا۔ اگرچہ وہ پارلیمنٹ کی سیٹ تو دھاندلی کی وجہ سے نہ جیت سکے تاہم سیاسی حلقوں میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی میں اس سے خاصا اضافہ ہوا۔ ان انتخابات میں ان کے جن حامی علماء ودانشوروں نے حصہ لیا ان میں مظہر عظمت' الشیخ کامل القصاب' استاذ محمد المبارک اور شیخ ذکی بیگ الخطیب شامل ہیں۔ ان اہل علم نے انتخابات میں حصہ اسلامی قوانین کی ترویج کے لئے جدوجہد کرنے کے ارادہ سے لیا تھا جو بدقسمتی سے آج تک شام میں نافذ نہیں ہو سکے۔

الشیخ علی طنطاوی نے جہاد فلسطین میں بھی عملی طور پر حصہ لیا اور مجاہدین کی صف بندی میں انہیں خدمات کا موقع ملا۔

۱۹۶۳ء میں وہ سعودیہ آئے مگر اس سے قبل وہ شامی ریڈیو سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں سورین ریڈیو سے ان کا ہفتہ وار پروگرام ہر جمعہ کو نشر ہوتا تھا جس میں وہ مختلف اسلامی موضوعات پر گفتگو کرتے تھے۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ مغربی اندازِ تخاطب کی مخالفت کرتے ہوئے پروگرام کے آغاز میں سامعین کو "حضرات و خواتین" کہہ کر بات شروع کرتے تھے جبکہ عام رواج "خواتین و حضرات" (Ladies and Gentlemen) کہنے کا تھا اور آج بھی ہے۔ ان سے کسی نے اس پر گفتگو کی تو انہوں نے کہا :

"میں مغربی اقدار کے خلاف ہوں، پھر ان کا اندازِ تخاطب کیوں اپناؤں؟"

غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے جب شام میں جامعہ دمشق میں موتمر عالم اسلامی کی ایک مقامی کانفرنس ہوئی جس کی صدارت اس وقت کے وزیر اعظم اور موتمر کے سیکرٹری جنرل معروف الدوالیبی نے کی۔ اس کانفرنس میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، انڈونیشیا کے سابق وزیر اعظم محمد ناصر، مغرب سے علال الفاسی اور دیگر مسلم زعماء نے شرکت کی۔ شیخ علی طنطاوی کو اس کانفرنس سے خطاب کا موقع ملا، ان کا خطاب بصیرت افروز اور جامع تھا۔

شیخ طنطاوی اخوان المسلمین کے مقرر کے طور پر ابھرے۔ شہداء (دمشق) کے مقام پر اخوانیوں کے مرکز میں شیخ ہر منگل کو درس دیتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں جب مصر اور الجزائر میں فرانس کے خلاف تحریک زوروں پر تھی شیخ علی طنطاوی شام میں اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔ انہی دنوں شام میں ہفتۂ الجزائر منایا گیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ نے پورے مجمع کو ایک جوش مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے تقریر کے دوران اچانک اپنے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں امیر عبدالقادر الجزائری کا پستول لہراتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا : یہ دو چیزیں جنہیں امیر عبدالقادر الجزائری استعمار کے خلاف جنگ میں استعمال کر رہے تھے آج بھی انہی دونوں سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس کانفرنس کے عینی شاہد ایک شامی اخبار نویس و ادیب ڈاکٹر منیر محمد الغضبان کہتے ہیں : "اس وقت عوام کے جم غفیر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اگر اسے اُسی

وقت پیدل الجزائر پہنچنے کو کہا جاتا تو وہ چل پڑتا۔ دیر تک لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے، نعرے لگاتے اور شیخ کو داد دیتے رہے۔ مجمع ہزاروں میں تھا"۔ شیخ علی طنطاوی نے شام میں قومیت کی اٹھتی ہوئی لہر کے خلاف بھی پُرزور جہاد کیا اور عرب قومیت کے نعرے کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے "اسلامی اخوت" کا نعرہ بلند کیا۔

شیخ کی ادبی خدمات کا چرچا اس وقت سے ہے جب وہ معروف عرب ادیب احمد حسن زیات کی زیر نگرانی وزیر ادارت نکلنے والے عربی مجلّہ "الرسالہ" میں لکھتے تھے۔ اخبارات و مجلّات ان کے مقالات کے منتظر اور عوام ان کے خیالات کے مشتاق رہتے تھے۔ ساٹھ کی دہائی میں عرب قومیت کے خلاف اسلامی اخوت کو ابھارنے کے جرم میں اسلام پسند رہنما اور علماء زیر عتاب آئے تو شیخ نے سعودی عرب میں پناہ لی۔ سعودیہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء سے ترکِ وطن کر کے شیخ نے سعودیہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابتداء میں ریاض میں انہیں کلیۂ لغۃ عربیہ و شریعہ میں تدریس کا موقع ملا، پھر وہ جلد ہی مکہ مکرمہ میں کلیۂ شریعہ سے منسلک ہو گئے۔ تدریسی عمل کو خیرباد کہہ کر جلد ہی انہوں نے صحافتی زندگی کی طرف عود کیا اور ریڈیو ٹیلی ویژن سے نشری خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔

سعودی ٹی وی سے ان کا پروگرام "نور و ہدایت" تیس برس چلا۔ اتنا طویل دور عرب دنیا میں کسی ٹی وی پروگرام کا ایک ہی شخصیت کے حوالہ سے کسی اور کا نہیں۔

وہ رمضان المبارک میں افطار سے کچھ دیر قبل ٹی وی پر ایک اور پروگرام "افطار کے دسترخوان پر" میں آتے تھے اور بڑے دھیمے انداز میں انتہائی اہم مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ وہ اپنے پروگرام میں لوگوں کے بھیجے ہوئے بعض خطوط میں اٹھائے گئے مسائل کے جوابات بھی دیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے انہیں خط لکھا کہ اس کا نام عبدالرسول ہونے کی وجہ سے جامعۃ الملک عبدالعزیز نے اسے داخلہ دینے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ وہ داخلہ کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔ انہوں نے جواب میں جامعۃ الملک عبدالعزیز کے ارباب حل و عقد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اللہ کے بندو اس میں اس کا کیا قصور، نام تو اس کے والدین نے رکھا ہو گا، پھر یہ کہ عبدالرسول یا غلام رسول نام ہونے کی وجہ سے وہ خدا کی بندگی سے تو نہیں نکل گیا، کیا محض ایک شخص اپنے نام کی وجہ

سے کہ وہ کسی کو پسند نہیں داخلہ سے محروم رہے گا۔

میں (راقم) نے ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۳ء تک ان کے حلقہ ہائے درس ٹی وی پر بغور سنے اور دیکھے ہیں۔ ان کا انداز بڑا والہانہ و عالمانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز شامی لہجہ میں کبھی کبھی جب کوئی ظریفانہ جملہ بولتے تو مزا آ جاتا۔ مکہ مکرمہ میں شیخ سے ایک ملاقات میں ان سے بالمشافہ گفتگو کا موقع راقم کو ملا۔ وہ انتہائی خلیق اور مہربان شخص تھے۔ شیخ علی طنطاوی نے متعدد کتب و رسائل لکھے جن میں سے بعض کے نام اور عنوانات حسب ذیل ہیں :

① تعریف عام بدین الاسلام
② صور و خواطر
③ من حدیث النفس
④ الجامع الاموی
⑤ قصص من التاریخ
⑥ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
⑦ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
⑧ فی اندونیسیا
⑨ فی بلاد العرب
⑩ سلسلہ اعلام التاریخ
⑪ فی سبیل الاصلاح
⑫ وسائل سیف الاسلام
⑬ رجال من التاریخ
⑭ البیئمیات
⑮ التحلیل الادبی
⑯ مقالات فی کلمات
⑰ ھتاف المجد
⑱ مباحث اسلامیہ
⑲ فصول اسلامیہ
⑳ نفحات من الحرم
㉑ صور من الشرق
㉒ صید الخاطر لابن الجوزی (تحقیق و تعلیق)
㉓ سلسلہ حکایات من التاریخ
㉔ فکر و مباحث
㉕ بشار بن برد
㉖ مع الناس
㉗ رسائل الاصلاح
㉘ ذکریات علی الطنطاوی

شیخ علی طنطاوی نے ۹۴'۹۵ برس عمر پائی اور عمر کا ایک معتدبہ حصہ دینی خدمات میں صرف کیا۔ ان کے نظریات سے اختلاف ممکن ہے مگر ان کے خیالات میں وسعت تھی۔ سعودی حکومت نے ان کی اعلیٰ علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۱۹۹۰ء میں "کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ" دیا۔ شیخ آخر وقت تک جدہ میں سکونت پذیر رہے۔ حرم شریف میں ان سے ملاقات اکثر حجرہ مؤذنین کے نیچے ہو جایا کرتی تھی جہاں وہ تلاوتِ قرآنِ حکیم میں منہمک نظر آتے تھے۔ ان کے گرداگرد شامیوں کا ہجوم رہتا تھا جن میں

(باقی صفحہ ۷۵ پر)

ایک مجبور اور مقہور قوم کا جشن آزادی

جشن آزادی کے حوالے سے ایک فکر انگیز تحریر جو ۱۴/ اگست سے قبل سپرد قلم کی گئی

حافظ عاکف سعید' نائب امیر تنظیم اسلامی

۱۴/ اگست کی آمد آمد ہے۔ پی ٹی وی کے خبرنامے پر نگاہ ڈالیں تو پوری قوم گویا آزادی کا جشن نہایت ولولہ انگیز انداز میں منانے کیلئے مضطرب و بے چین اور آزادی کے جذبے سے سرشار ہی نہیں نہال اور سرمست نظر آتی ہے۔ ملک بھر میں سرکاری سطح پر رنگا رنگ تقریبات کا اہتمام ایک ہفتہ پیشتر ہی شروع کیا جا چکا ہے جن کے انعقاد پر بے پناہ خرچ تو ہو گا ہی' انکی پبلسٹی پر بھی روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ۱۴/ اگست کو سڑکوں پر جو ہلڑ بازی مچے گی وہ اس پر مستزاد ہے کہ ہم بھی شاید بحیثیت قوم' مرزا غالب کی طرح "گھر کی رونق" کو "ایک ہنگامے پر موقوف" سمجھتے ہیں —— آزادی یقیناً اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی ناقدری کرنے والی قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آزاد فضا میں سانس لینے کا خیال بھی دل میں لائے۔ لیکن جشن آزادی اس طور سے منانا ایک مسلمان قوم کا شعار نہیں ہو سکتا۔ آزاد اور باشعور اقوام کیلئے 'یوم آزادی تو درحقیقت "یوم خود احتسابی" ہوتا ہے۔ وہ دن میلوں ٹھیلوں کی ہنگامہ آرائی اور ہلڑ بازی کی بجائے سنجیدہ اور باوقار محافل کیلئے مختص ہونا چاہئے کہ جن میں قوم کے اہل فکر و نظر اور ملت کے دردمند جمع ہو کر نعمت آزادی کے حصول پر اللہ کا شکر بجالانے کے ساتھ ساتھ سالِ گزشتہ کی مجموعی قومی کارکردگی اور اپنے قومی اہداف و مقاصد کے تناظر میں سال بھر کے میزانیۂ نفع و نقصان پر ناقدانہ نگاہ ڈالیں اور اپنی قومی کوتاہیوں کا تعین کرتے ہوئے آئندہ ان کے ازالے کیلئے مناسب منصوبہ بندی کریں۔ یہ بات بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ خود احتسابی کا یہ سارا عمل حقائق سے گریز کی بجائے اگر حقائق کا مواجہہ کرتے ہوئے کیا جائے گا تبھی نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔ افسوس کہ ہمارا طرز عمل اسکے بالکل برعکس ہے۔ ہماری مثال اس ذہنی مریض کی سی ہے جو مسائل و حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بجائے نشے میں مدہوش ہو کر خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں مگن اور سرمست رہنے کو ترجیح دیتا ہے' یا پھر بحیثیت قوم ہم ان ناسمجھ بچوں کی مانند ہیں جنہیں کھلونے دے کر بہلانا حکمرانوں کیلئے چنداں مشکل نہیں ہوتا۔

مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ اپنا ۵۲واں جشن آزادی اتنے جوش و جذبہ اور کروفر کے ساتھ منانے والی قوم اس حقیقت کو فراموش کیے ہوئے ہے کہ اس کی نااہلی اور بداعمالی بلکہ صحیح تر الفاظ میں قیام پاکستان کے وقت اللہ سے کیے گئے عہد کی خلاف ورزی اور اللہ کے دین سے مسلسل بے وفائی کے نتیجہ میں فی الحقیقت آزادی کی نعمت اس سے سلب کی جا چکی ہے اور اب اس کا احساسِ آزادی ایک خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ذرا سوچئے! ـــــ جس قوم کی اقتصادی پالیسیاں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی منظوری پر موقوف ہوں، جس کا قومی بجٹ عالمی مالیاتی استعمار کے انگوٹھے تلے تشکیل پاتا ہو، جس قوم کا "عوام دوست اور غریبوں کا درد رکھنے والا" وزیر اعظم ہیوی مینڈیٹ کے ہوتے ہوئے آئی ایم ایف کے دباؤ کے سامنے بے بس اور لاچار ہو کر غریب عوام پر مہنگائی اور گرانی کی بجلیاں وقتاً فوقتاً گراتے رہنے پر مجبور ہو، اسے آزاد قوم کہنے اور سمجھنے والا کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے۔!!!

اسی طرح وہ "عظیم" مسلمان قوم جس کی "سیاسی آزادی اور خود مختاری" کا یہ عالم ہو کہ اس کے حکمران دنیا کی ایک ایسی سپر پاور کے سامنے برضا و رغبت سربسجود ہوں کہ جس کی رگِ جاں اس مغضوب علیہم قوم کے بے رحم خونی پنجوں میں ہو کہ جس کی اسلام ہی نہیں پاکستان دشمنی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو، ـــــ جس کے ایک اشارے پر اس قوم کی تقدیر کے مالک وزیر اعظم اپنے ازلی دشمن بھارت کے سامنے اس کی تمام جائز و ناجائز شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے قوم کی خواہشات اور امنگوں کے علی الرغم، بے چون و چرا ہتھیار ڈال دیں، ـــــ اور جس پر اس دشمن ملک کی جرأت و جسارت اتنی بڑھ جائے کہ ہمارے نیوی کے ایک تربیتی جہاز کو ۱۶ افراد سمیت بغیر وارننگ کے مار گرانا اس کے نزدیک بچوں کا کھیل بن جائے اور ہماری بزدلی کا یہ عالم ہو کہ ہم ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بن جائیں ـــــ جس ملک کی سرزمین کو اسلام دشمن عالمی قوتیں، مجاہدین اسلام کو کچلنے اور امارتِ اسلامی افغانستان کو تہس نہس کرنے کیلئے بے دریغ استعمال کر سکیں اور جس کا مذہبی طبقہ اس کھلی غنڈہ گردی پر اگر احتجاج کی زبان کھولنا چاہے تو اس سپر پاور کے مزاج شاہاں کو یہ اس درجہ ناگوار محسوس ہو کہ ان کی زبان بندی کا فرمان جاری کر دیا جائے اور دنیا بھر کے میڈیا میں ان کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے ـــــ تو ایسی قوم اور ایسے ملک کو آزاد کہنا یا سمجھنا مغالطہ آمیزی اور خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

جشن آزادی پر ناچ گانے کا دھوم مچانے والے ہمارے حکمران اور عوام یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ بحیثیت قوم اس وقت اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ ذلت و مسکنت کا عذاب ہم پر

مسلط ہے۔ اس عذاب سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اس خطۂ زمین میں اللہ کے دین کو قائم و نافذ کر کے اللہ کے ساتھ اس قومی عہد شکنی کی تلافی کا سامان کریں جس کے ہم گزشتہ ۵۳ سالوں سے مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کی روش کو جاری رکھ کر اور سودی نظام کو برقرار رکھ کر، گویا اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ جاری رکھتے ہوئے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں عزت و سربلندی، معاشی و اقتصادی خوشحالی اور حقیقی آزادی کی نعمت سے ہم شاد کام ہو سکتے ہیں تو یہ ہماری خام خیالی اور کوتاہ نظری ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں!OO

(بشکریہ : ندائے خلافت)

☆ ☆ ☆

آزادی نسواں یا غلامی نسواں؟

سید مظہر علی ادیب

ترکی میں ایک پارلیمنٹ کی خاتون رکن کے سر پر سکارف پہننے پر ہنگامے شروع ہوئے ہیں۔ ترکی خاتون نے اپنے سر پر سے سکارف اتارنے سے انکار کر دیا ہے۔ سرکاری طور پر عورتوں کے لئے سکارف پہننا یا کسی اور کپڑے سے سر ڈھانپنا ممنوع ہے۔ آج کل دنیا میں "آزادی نسواں" کا بڑا ڈھنڈورا ہے۔ "انسانی حقوق" اور "مذہبی آزادی" کا بہت چرچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دور میں ایک انسان کو اپنے مذہب پر چلنے اور اپنی پسند کا لباس پہننے کی آزادی کیوں حاصل نہیں ہے؟۔ "آزادیوں" کے علمبردار اب خاموش کیوں ہیں؟ اگر ایک عورت اپنا ستر ڈھانپنا چاہتی ہے تو اُسے ایسا کرنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ مردوں کا عورتوں کو مردوں کی پسند و ناپسند کے مطابق لباس پہننے پر مجبور کرنا "آزادی نسواں" نہیں، یہ تو بدترین "غلامی نسواں" ہے۔ تمام مذاہب عالم عورت کے لئے سر ڈھانپنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ پرانی سے پرانی تہذیب و تمدن میں بھی عورت کے سر کے بال چھپانے کے واقعات ملتے ہیں۔

وراثت میں بیٹی کا نصف حصّہ

سندھ ہائی کورٹ کے جج جسٹس شائق عثمانی نے ایک فیصلے میں لکھا ہے کہ وراثت میں لڑکی کا نصف حصہ "دین کی غلط تشریح ہے"۔ اہل مغرب بھی اکثر یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ اسلام نے وراثت کے معاملے میں مرد کو ترجیح دی ہے اور عورت کو پورے حصے سے محروم رکھا ہے۔ یہ

لوگ نہیں سمجھتے کہ اسلامی معاشرت میں مرد تنہا خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ اسلام نے عورت پر خاندان تو کجا رہا' خود اپنی کفالت کا بوجھ بھی نہیں ڈالا۔ شادی سے پہلے عورت کا نان و نفقہ والد اور بھائیوں کی ذمے داری ہے اور شادی کے بعد یہ فرض اس کے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ والد' بھائی' شوہر اور نرینہ اولاد کی عدم موجودگی میں خاندان کے دوسرے مردوں کی یہ ذمہ داری ہے۔ عورت ملازمت' تجارت یا وراثت کے ذریعہ کتنا ہی مال کمائے یا حاصل کرے وہ تنہا اس مال و دولت کی حقدار ہے۔ مہر کی رقم (خواہ لاکھوں میں ہو) شادی کے وقت ملنے والے تحفے تحائف' زیور' کپڑے' مکان' نقدی' طلاق کی صورت میں متاع اور عدت کے دوران نان و نفقہ کی رقم وغیرہ ان سب کی عورت ہی مالک ہوتی ہے اور خاندان کے کسی فرد کی کفالت پر بھی وہ کچھ خرچ کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ یہ سارا پیسہ اسی کے پاس رہتا ہے اور وہ اسے اپنی مرضی سے جائز کاموں پر خرچ کر سکتی ہے۔ ان حالات کی روشنی میں اسلام اگر مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ نہ دیتا تو یہ مردوں کے ساتھ سخت ناانصافی ہوتی۔ اس لئے کہ خاندان کے لئے خوراک' مکان' تعلیم و تربیت' شادی بیاہ کے کل اخراجات اسی نے مہیا کرنے ہیں۔

☆ ☆ ☆

بقیہ : مشاہیر عالم

زیادہ تر ان کے اپنے تلامذہ اور خاندان کے لوگ ہوتے۔

شیخ نے اپنے پیچھے علم و ادب کی گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔ ان کی بیٹیاں اور نواسیاں بھی ادیبات ہیں' جن کے مقالات عرب دنیا کے مختلف ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ یعنی ۱۸ جون ۱۹۹۹ء کو شیخ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (اِنا للہ وَاِنا اِلیہ رَاجعون)

ہمارا مطالبہ ' ہماری اپیل
دستور خلافت کی تکمیل

خطوط و نکات

شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت

محترمی سلام مسنون

آپ کی مرسلہ کتاب "شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت" از ڈاکٹر اسرار احمد موصول ہوئی۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے بعض اہم اختلافات کی اصل حقیقت اور حیثیت کے بارے میں اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ہم آپ کے اس گرانقدر عطیہ کے لئے بے حد شکر گزار ہیں ـــــ اُمید ہے کہ آپ کا تعاون جاری رہے گا۔

نیاز مند
نظر برنی
ڈپٹی لائبریرین، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، بھارت

☆ ☆ ☆

"پاکستان بمقابلہ بھارت"۔ ایک فکر انگیز خطاب

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگست ۱۹۹۹ء کے "میثاق" میں آپ کا تذکرہ و تبصرہ "پاکستان بمقابلہ بھارت" پڑھا۔ آپ کا خطاب وقت کی اہم ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز اور چشم کشا بھی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو تندرست و توانا رکھے اور ہم آپ کی ذات گرامی سے فکری راہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ آمین

نیاز کیش
محمد یٰسین بھٹی ایڈووکیٹ
ننکانہ صاحب (ضلع شیخوپورہ)

بچوں کی تربیت اور اصلاح احوال ـــ مگر کیسے؟

شاہدہ شوکت ظفر' اسلام آباد

پنجابی کی ایک کہاوت ہے "پتا پر پوت نسل پر گھوڑا' بُتا نہیں تے تھوڑا تھوڑا" یعنی بیٹا ہمیشہ باپ پر ہوتا ہے اور گھوڑا اپنی نسل پر' زیادہ نہ بھی ہو تھوڑا تھوڑا تو ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے سے اثر لیتے ہیں اور چھوٹوں پر بڑوں کا اثر ہوتا ہے۔ اور بڑوں کی خرابی کے باعث چھوٹے بھی اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں آج کل قحط الرجال کی سی کیفیت ہے۔ محمد بن قاسم اور قائداعظم اب کیوں نہیں پیدا ہو رہے؟ جب ہمارے اپنے کرتوت زہر بھرے ہیں' ہم نے دوسروں کا جینا مرنا عذاب کر رکھا ہے تو ترجیحیں کہاں سے ہوں گی؟ اور بغیر تربیت عظیم لوگوں کا پیدا ہونا محال ہے۔

ایک خاتون جب اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرے گی' مثلاً حسد اور بغض اختیار کرے گی' بات بات پر چڑے گی اور دوسروں کی باتوں سے چڑ کر اپنے بچے پر غصہ نکالے گی' تو وہ بچہ خواہ مخواہ ڈھیٹ ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر وہ صرف اپنے نفس کو سامنے رکھے گی' اس کی پوجا پاٹ کرے گی' سمجھ سے کام نہیں لے گی تو بچے کی تربیت نہیں ہو پائے گی اور یوں وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی بربادی کا سامان کرے گی۔

مردوں کی تربیت میں بھی خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے۔ بیٹا' خاوند' شوہر' بھائی' باپ' ہر ایک کی تربیت کے پیچھے کسی نہ کسی خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خاص طور پر ماں اور بہن کا' اور پھر بالآخر اس کی بیوی کا۔ بیوی بڑے غیر محسوس طریقے سے شوہر پر اثرانداز ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنی بھی عظیم ہستیاں تھیں ان کی کامیابیوں میں ماؤں کی عظمت شامل تھی۔ ایک مشہور مفکر کا قول ہے کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں بہترین معاشرہ دوں گا۔

بچوں کی تربیت میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں بیٹے اور بہو کو مسکراتے دیکھ کر ماں کا چہرہ ماند پڑ جاتا ہے اور وہ فوراً ایسے حیلے بہانے تلاش کرتی ہے جن سے اس جوان عورت کو' جسے وہ اپنی بہو بنا کر لائی تھی' غمگین اور آزردہ کر سکے' ایسی صورتحال میں بہو کو سسرال والوں اور میاں کو خوش رکھنے کے لئے بھری جوانی میں اپنا چہرہ بجھا کر رکھنا پڑتا ہے۔ شوہر کی جھڑکیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور منہ سے امی جان' باجی جان وغیرہ کی رٹ لگانی پڑتی ہے تاکہ

سب کو خوش اور راضی رکھ سکے۔ اِس دکھاوے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دل کی گہرائی سے چاہت مفقود ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ خود اس مقام پر پہنچتی ہے یعنی ساس بنتی ہے تو لاشعوری طور پر وہی کردار ادا کرتی ہے جو اس نے اپنی جوانی میں کڑوے کسیلے زہر کی طرح قطرہ قطرہ کر کے اپنے اندر جمع کیا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بچوں کی تربیت پر بھی بے حد منفی اثر پڑتا ہے۔

پھر میاں بیوی کے باہمی تعلق کا بھی بچوں کی تربیت پر اثر پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلق کے ضمن میں قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ : ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۷) "وہ (عورتیں) تمہارا لباس ہیں اور تم (مرد) ان کا لباس ہو"۔ لباس کے کئی مقاصد ہیں' مثلاً :

① لباس جسم کو ڈھانپتا ہے۔ انسان اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے لباس کا استعمال کرتا ہے۔

② لباس موسموں کی شدت سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

③ لباس زیب و زینت کے لئے اترا جو انسان کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے اور انسان کے عزت و شرف میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

لباس کا لفظ میاں بیوی کے لئے کیوں بولا گیا ہے؟ اس لئے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو تحفظ دیتے ہیں اور اپنی بات چیت یا حرکات و سکنات ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے محافظ ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ میاں بیوی بر سر محفل ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کریں' بلکہ خوبیوں کو اجاگر کریں اور عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ عیب کی تشہیر انسان کو ڈھیٹ بناتی ہے اور اس کی خوبیوں کو زائل کرتی ہے۔ میاں بیوی کوئی ایسی حرکت اور فعل انجام نہ دیں جس سے دونوں کے عزت و وقار پر حرف آتا ہو۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس بننے کے لئے ضروری ہے کہ سارا گھریلو ماحول سازگار ہو اور گھر کے بڑے ایسا کرنے میں مدد دیں۔ اس طرح ایک شاندار مثبت ماحول، وجود میں آئے گا۔ ایسے ماحول میں تربیت پانے والے بچے معاشرے میں مثبت اور تعمیری کردار ادا کریں گے اور ایسی غیر معمولی سوچ کے حامل ہوں گے جو قوم اور معاشرے کی ترقی کا باعث بنے گی۔ اور ہم بین الاقوامی سطح پر دوسرے ترقی یافتہ معاشروں کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں گے اور دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

بعض اوقات دینی تعلیم سے بھی کچھ لوگ منفی اثر لیتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی دین کی طرف آتا ہے یا دینی تعلیم حاصل کرتا ہے تو لازماً اللہ کا کلام اس پر اثر کرتا ہے اور اس کے شب و روز میں تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً وہ داڑھی رکھتا ہے' عورت ہے تو پردے کی پابندی کرنے لگتی ہے۔ اس پر بعض لوگ اپنے آپ کو "شے" سمجھنے لگتے ہیں۔ ذرا نماز صحیح کر کے پڑھنی آ گئی یا دین کے ایسے مسائل معلوم ہو گئے جس سے عام آدمی محروم ہے تو سمجھا کہ علامہ ہی بن گئے ہیں۔ خاوند حضرات

بیویوں پر بے جا رعب ڈالنے لگتے ہیں کہ تمہارا حساب ہم سے ہو گا' چنانچہ اس کی تربیت اور اسے اسلام کی حمایت جانب مائل کے لئے کسی تدریج اور حکمت کا خیال نہیں رکھا جاتا' جس سے معاملات بعض اوقات سدھرنے کی بجائے بگڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نبوت ملنے سے بھی پہلے کردار اور اخلاق کے بلند مقام پر فائز تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو صاحب کردار ہونے کی وجہ سے ہی پسند فرمایا تھا۔ جب آپؐ تجارتی منافع دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ لائے تھے تو غلام میسرہ نے گواہی دی کہ صاحبؐ جیسا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ سارے قافلے کا' خاص طور پر غلاموں کا خیال رکھتے تھے اور منزل پر پہنچ کر پوری ایمانداری اور سچائی سے اس طرح مال بیچا کہ منافع کئی گنا بڑھ گیا۔

جب آنحضور ﷺ پہلی وحی کے بعد غارِ حرا سے اتر کر گھر آئے اور فرمایا ((زَمِّلُوْنِیْ)) یعنی "مجھے چادر اوڑھا دو" تو حضرت خدیجہؓ نے کیا گواہی دی؟ "گھبرائیں مت! اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ بیواؤں کا سہارا ہیں' یتیموں کا خیال رکھتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں۔" کیا ہم مسلمان بیویوں اور ہمارے خاوندوں کے پاس ایک دوسرے کی گواہی دینے کے لئے کچھ ہے؟ اس سے ملتا جلتا یا کم از کم اتنا ہی؟ کیا اللہ کے بندے اور بندیاں اپنی گواہی درست کرنے کے لئے فکر مند ہیں؟

چنانچہ بچوں کی تربیت کے لئے میاں بیوی کے باہمی تعلق اور ماحول سمیت ذاتی اصلاح ناگزیر ہے۔ ذاتی درستگی اور محاسبہ کے لئے تدریجی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً ہم نظام شمسی کی طرز پر چلیں۔ اپنے آپ کو سورج کی جگہ سمجھیں۔ ہماری زمین سمیت سارے سیارے اللہ رب العزت کے مقرر کردہ بہترین اندازے کے مطابق تیر رہے ہیں۔ چنانچہ اب پہلا دائرہ ہمارے اپنے قدم ہیں۔ یعنی دین کی ابتداء اپنے وجود کو صحیح کرنے سے ہو گی۔

دوسرا دائرہ شریک حیات یعنی شوہر اور بیوی کا ہے۔ یہیں سے وہ ایک دوسرے کے گواہ بنیں گے۔ اگر یہ گواہی تار تار لباس کی طرح ہے تو ہماری مسلمانی یہیں ختم ہو جاتی ہے۔

تیسرے دائرے میں اپنے بچے ہیں' کیونکہ میاں بیوی جہاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں وہ دونوں اپنے بچوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں' بلکہ بچے صورت اور عادات میں اپنے ماں باپ کا عکس ہوتے ہیں۔ کسی کے بچوں کو دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ماں باپ کتنے پانی میں ہیں۔

چوتھا دائرہ گھر کے باقی افراد ہیں۔ احسان سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے آرام و سکون کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یہ ہمارے قریب کی

گواہیاں ہیں۔ اجنبیوں کو تو ہم اپنی گفتگو اور مصنوعی اور وقتی خوش اخلاقی سے جلد متاثر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، لیکن اصل گواہی قریب کی ہوتی ہے۔

پانچواں دائرہ ہمارے ماتحتوں کا ہے۔ انسان کسی نہ کسی شکل میں کہیں حاکم اور کہیں ماتحت ہے۔ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے ان کے ہاں خادم ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے بارے میں کیا گواہیاں ہیں؟ ہم نے کبھی اس پہلو سے سوچنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ اگر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری اللہ کے ہاں کیا وقعت ہے تو خلق خدا کی اپنے بارے میں رائے جان لینی چاہیئے (آوازِ خلق نقارۂ خدا)۔ ہمارا ماتحتوں پر چونکہ اختیار چلتا ہے اس لئے خوش نصیب ہی اس معاملے میں تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔

چھٹا دائرہ ہمارے پڑوسی ہیں اور پڑوسیوں میں اگر آپ صاحب حیثیت ہیں تو پڑوسیوں کے خادم بھی آپ کے پڑوسی ہیں۔ یاد رکھئے کہ کھانے کی خوشبو جہاں تک جائے اس کھانے پر خوشبو سونگھنے والے کا حق ہو جاتا ہے۔

احادیث نبویؐ میں ہے کہ اگر تمہارا پڑوسی بھوکا سوئے تو تم نے اپنے پیٹ میں آگ بھری۔ جب کبھی اچھا پھل کھاؤ تو چھلکے پڑوس کے دروازے کے سامنے نہ پھینکو، کیا پتہ انہیں یہ میسر نہ ہو اور اُن کا دل دکھے۔ آج ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ساتھ والے گھر میں کون ہے؟ حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار اور پردہ دار بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم داڑھی اور برقعے کے ساتھ پاکیزہ ہو گئے ہیں اور باقی سب گندے ہیں۔ چنانچہ پڑوسی سے میل ملاقات کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

اب ذرا دائرہ اور آگے بڑھائیں تو پڑوسیوں کے پڑوسی بھی آپ کے پڑوسی ہیں۔ اس طرح یہ ہمسائیگی پورے محلے پر محیط ہو جاتی ہے۔ جو لوگ مسجد میں مستقل نمازی ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک دو روز نہ آئے تو باقی نمازی ساتھیوں کو فکر لاحق ہونی چاہیئے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرمایا کہ تبلیغ کا آغاز اپنے خاندان سے کرو۔ چنانچہ ہمیں اسی طرز پر اصلاح احول کی فکر کرنی چاہیئے اور اصلاح احوال کا یہ عمل صرف تدریجی طور پر ہی مؤثر ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

KHALID TRADERS

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

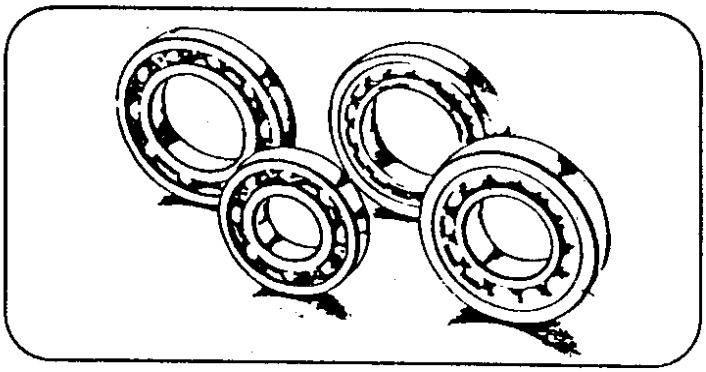

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 ***Phones :*** 7732952 - 7730595 ***Fax :*** 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-65
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 9
Sep. 1999

صوفی سن فلاور کوکنگ آئل
سورج مکھی کے اعلیٰ بیجوں سے تیار کردہ

SUFI

صوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
حمزہ ویجیٹیبل آئل ریفائنری اینڈ گھی ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Head Office: 39-Fleming Road, Lahore, Pakistan.
Tel: 7225447-7221068-7244951-3
Fax: 92-42-7239909 & 92-42-7311583